ماہنامہ

مجلہ

حیاتِ نو

بلریا گنج

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ
نے فرمایا جس شخص نے روزہ رکھنے کے
باوجود جھوٹ بات کہنا اور اس پر عمل کرنا نہ
چھوڑا تو اللہ کو اس کے بھوکا اور پیاسا رہنے
سے کوئی دلچسپی اور مطلب نہیں۔۔

(بخاری و مسلم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ حیات نو بلریا گنج

اشرف

جلد ۱۱	شعبان، رمضان ۱۴۱۵ھ جنوری، فروری ۱۹۹۵ء	شمارہ ۱، ۲

بدل اشتراک

سالانہ زر تعاون	۵۰/۰۰ روپئے
طلبہ کے لئے	۴۰/۰۰ روپئے
خصوصی زر تعاون	۱۰۰/۰۰ روپئے
اعزازی زر تعاون	۱۰۰۰/۰۰ روپئے
غیر ممالک سے زر تعاون	۲۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ	۵/۰۰ روپئے
اس شمارہ کی قیمت	۱۰/۰۰ روپئے

مدیر مسئول
نور محمد فلاحی

مدیر
محمد اسمٰعیل فلاحی

معاون مدیر
عبد البر اثری فلاحی

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہٰذا جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ مجلہ حیات نو جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ
۲۷۶۱۲۱

(رشاد آفسیٹ پریس اعظم گڑھ)
فون نمبر ۶۲۸۱۵

فارغات کے نام

جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے کہ انجمن طلبہ قدیم ایک عرصہ سے سرگرم عمل ہے اور مقاصد جامعہ کے حصول کیلئے پوری تندہی اور جانفشانی سے اعلیٰ پیمانے پر اپنے فریضہ کی انجام دہی میں مصروف ہے اور الحمد للہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور اب اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی کہ فارغات کی بھی اپنی ایک انجمن ہو جو کلیۃ البنات کی تعمیر و ترقی کیلئے کچھ کام کر سکے۔

چنانچہ آپ کو یہ اطلاع پا کر انتہائی مسرت ہوگی کہ ۱۶ر ۱۷ر نومبر کو کلیۃ البنات میں طالبات کے تعلیمی مظاہرے کے موقع پر ۱۶ر نومبر ۹۴ء بعد نماز مغرب صدر انجمن طلبہ قدیم کی صدارت میں فارغات کی ایک نشست ہوئی اور وفد انجمن طلبہ قدیم کے ہاتھوں انجمن طالبات قدیم کی تشکیل عمل میں آئی جس کا مقصد فارغات کو منظم کرنا، باہمی تعلق، جامعہ سے ربط اور مقاصد جامعہ کا حصول ہے۔

جس کیلئے فی الحال ایک تمہیدی کمیٹی برائے انجمن طالبات قدیم تشکیل دی گئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ تمام فارغات سے درج ذیل معلومات حاصل کی جائیں۔

(۱) اپنا اور قرب و جوار کی فلاحی بہنوں کا جدید و قدیم پتہ ارسال کریں تاکہ بوقت ضرورت آپ سے ربط قائم کیا جا سکے۔

(۲) مالی تعاون (جو فی الحال ہر فارغہ سے دس روپئے کی شکل میں لیا جا رہا ہے) ارسال کریں

(۳) تجاویز و مشورے۔

دعا ہے کہ جس عظیم کام کو ہم نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا ہے اسے بخیر و خوبی انجام دے سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے مقاصد میں کامیاب فرمائے اور ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین

والسلام

ساجدہ فلاحی بنت مولانا ابو اللیث اصلاحی
کنوینر انجمن طالبات قدیم
کلیۃ البنات، جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ (یوپی)
۲۷۶۱۲۱

نقوش حیات نو

		صفحہ
• اداریہ		
اسے کاش وہ سمجھتے	محمد اسمٰعیل فلاحی	۳
• بحث و نظر		
مکاتات نبوی کی دینی و تمدنی اہمیت	ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۶
مسلمانوں کی تعلیمی تحریکات	پروفیسر خورشید احمد	۳۱
تحقیق کیسے	انیس احمد فلاحی مدنی	۴۸
• لکھ رہا ہوں جنوں میں		
روداد سفر لکھنا ہے جرأت مستانہ	ابو اللسان لغوری	۵۳
• شعر و نغمہ		
نعت، غزل	ڈاکٹر انجمن آرا انجم، ایم اے شمسی	۲ ،۴۲
غزلیں	محمد شفیع، قمر سیوہاری، راشہ زیدی	۵۹،۵۲
غزلیں	شفیع اللہ راز، قمر اعظم گڑھی	۴۹،۵۲
• تعارف و تبصرہ		
احادیث سہلہ، حمزہؓ کا شہید	عبد البر اثری فلاحی	۶۰
• جامعہ کے لیل و نہار		
تعطیل کے بعد کا پروگرام، انتظامیہ کا اجلاس	محمد اسمٰعیل فلاحی	۶۳
بہی خواہان جامعہ کی خدمت میں	حاجی عبد المتین	۷۰
• کون سی وادی میں ہے		
روداد انجمن، رفاقتین جامعہ کے نام	محمد اسمٰعیل فلاحی، محمد عمران خاں فلاحی	۷۰
فارغات کے نام	ساجدہ فلاحی	صفحہ ٹائٹل
• حلقہ یاراں	مقبول احمد فلاحی	۷۸

اداریہ

محمد اسماعیل فلاحی

اے کاش وہ سمجھتے

نبی ﷺ کا جب وقت آخر آیا تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔

واللہ قد دنا منی خفوق من بین اظہرکم فمن کنت جلدت له ظہراً فہذا ظہری فلیستقد منہ۔ ومن کنت شتمت له عرضاً فہذا عرضی فلیستقد منہ ومن اخذت له مالاً فہذا مالی فلیاخذ منہ ولا یخش الشحناء من قبلی فانہا لیست من شأنی الا وان احبکم الی من اخذ منی حقاً ان کان له او حللنی فلقیت ربی وانا طیب النفس وقد اری ان ہذا غیر مغن عنی حتی اقوم فیکم مراراً۔

حمد و ثنا کے بعد فرمایا تم سے جدائی کا وقت قریب آ لگا ہے اگر کسی کی پیٹھ پر میں نے کوڑے لگائے ہوں تو میری پیٹھ حاضر ہے، وہ اپنا بدلہ لے لے۔ اگر میں نے کوئی ایسی بات کہی ہو جس کی وجہ سے کسی کی عزت و آبرو مجروح ہوئی ہو تو میری عزت و آبرو حاضر ہے اپنا بدلہ لے لے، اور اگر کسی کا مال لیا ہو تو میرا مال حاضر ہے، وہ مانگ سکتا ہے لے سکتا ہے اور اسے میری جانب سے رنجش کا اندیشہ نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ یہ میرا شیوہ نہیں۔ سنو میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ ہے جو مجھ سے اپنا حق وصول کرے اگر اس کا ہے یا پھر مجھ کو اس سے معاف کر دے کہ میں اپنے رب سے خوش خوش ملوں، میں سمجھتا ہوں کہ میرا یہ ایک بار کہنا کافی نہیں ہوگا جب تک کہ میں بار بار یہ پیشکش نہ کروں۔

اللہ اللہ! صادق و امین اور خلق عظیم کی حامل وہ ذات جس نے کبھی کسی پر ناحق ہاتھ نہیں اٹھایا اور اپنی ذات کے لئے کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا۔ نرم گفتار، شیریں مقال، کمزوروں، یتیموں، بیواؤں اور بے سہاروں کے غم میں گھلنے والا انسانیت

کا محسن اعظم اور سب سے بڑا خیر خواہ، جس کی زندگی کا لمحہ لمحہ اخلاص وللہیت اور دعوت وجہاد سے بھرپور، لیکن پھر بھی اس کی نگاہ کرم بارہا ان تھکا دینے والی بے مثال قربانیوں لاجواب کارناموں اور بندگان خدا کے ساتھ بے نظیر احسانات پر نہیں پڑتی۔ وہ کسی سے ان کا صلہ نہیں چاہتا کہ اس نے تو یہ سب کچھ اللہ رب العزت کیلئے کیا تھا۔ اسے اپنے حقوق کی فکر نہیں، بس اپنے فرائض یاد ہیں، ڈرتا ہے کہیں ان میں کوتاہی یا کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہوئی ہو اور اپنے کو بدلہ لینے کیلئے پیش کرتا ہے۔ کہتا ہے اگر کسی کی پیٹھ پر میں نے کوڑے مارے ہوں، میری وجہ سے کسی کی عزت وآبرو مجروح ہوئی ہو یا کسی کا مال میں نے لیا ہو تو وہ بدلہ لے لے اور اپنا حق وصول کرے اور اسے میری جانب سے کسی رنجش کا اندیشہ نہیں ہونا چاہیے۔

اسلام دراصل یہی زاویہ نظر دیتا ہے۔ آج حقوق وفرائض کی ایسی کشاکش برپا ہے کہ دنیا کراہ رہی ہے۔ لوگوں کو اپنے حقوق تو یاد ہیں لیکن فرائض سب بھلا بیٹھے ہیں۔ اپنا حق سب چاہتے ہیں لیکن ذمہ داری کوئی ادا نہیں کرتا۔ اگر سوچ کا یہ رخ بدل جائے اور لوگ اپنے فرائض یاد رکھیں تو پھر یہ سارا جھگڑا کیوں باقی رہے اور دنیا امن وسکون کا گہوارہ کیوں نہ بن جائے جس میں نہ سرمایہ دار کو مزدور سے شکایت باقی رہے نہ مزدور کو سرمایہ دار سے، نہ علماء کو عوام سے، نہ عوام کو علماء سے، نہ استاد کو شاگرد سے، نہ شاگرد کو استاد سے، نہ انتظامیہ کو اساتذہ سے، نہ اساتذہ کو انتظامیہ سے، نہ بھائی کو بھائی سے، نہ شوہر کو بیوی سے، نہ بیوی کو شوہر سے، نہ باپ کو بیٹے سے، نہ بیٹے کو باپ سے، نہ کسی پڑوسی کو پڑوسی سے، نہ کسی کو کسی سے۔ اسلام نے ہر شخص کے کچھ حقوق متعین کئے ہیں اور اس پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد کی ہیں۔ وہ حقوق کی وصولی سے بڑھ کر ان ذمہ داریوں کی ادائیگی پر زور دیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض اگر یاد رکھے تو پھر کسی کو کسی سے کاہے کو شکایت ہو۔

دینی مدارس کا یہ تعلیمی سال ختم ہونے کو ہے۔ رمضان المبارک کی آمد آمد ہے وہ رمضان جو توبہ واستغفار کا مہینہ ہے۔ آئیے ہم توبہ کریں فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور سے بھی اور ہر شخص دیکھے کہ کس پہلو سے اس سے کیا کوتاہی ہوئی ہے اور آئندہ وہ اس کی

تلافی کیسے کر سکتا ہے۔ یہی توبہ کا عملی طریقہ ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن و حدیث کی تعلیم کے یہ مراکز دراصل اسلام کے قلعے ہیں۔ ہماری غفلت اور فرض ناشناسی سے ان میں رخنے نہ پڑنے پائے۔ ہمیں یہ طے کرنا چاہیے کہ ہمارے بس میں کیا ہے اور ہم دین و ملت کی کیا خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ ہم میں کا ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے۔ وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ کمی بس عزم و ارادہ کی ہے۔ علماء و قائدین کی شکایت کرنا یا عوام کا رونا رونا ہمارا شیوہ نہیں۔ ہماری نگاہوں کے سامنے فرمانِ نبوی ہے۔

طوبیٰ لمن شغلہ عیبہ عن عیوب الناس

خوش قسمت وہ ہے جسے اس کے عیب کی فکر نے دوسروں کے عیب سے الجھنے نہیں دیا

میں سیوان میں اپنے ایک رفیق زبیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے مکان پر ماسٹر سعید محمد اکرم بارودی صاحب کے ساتھ بعد فجر چائے پی رہا تھا کہ زبیر احمد صاحب نے خبر دی کہ مدیر ہفت روزہ تکبیر جناب محمد صلاح الدین صاحب شرپسندوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ ایک جھٹکا سا لگا میں سکتہ میں آگیا۔ ابھی ہم انکی زندگی کے متمنی تھے کہ ملت کو انکے قلم کی ضرورت تھی وہ ان صحافیوں میں نہیں تھے جو ہوا کا رخ دیکھ کر قلم اٹھایا کرتے ہوں، زندگی میں تو زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہوں اور مرنے کے بعد ملی و محسن کی داستان سنا کر کیچڑ اچھالتے ہوں۔ وہ ایک اصول پسند صحافی تھے، مقصد واضح تھا، منزل متعین تھی۔ اصولوں پر کبھی سودا نہیں کیا، دوست زد میں آئے تو انہیں بھی نہیں بخشا۔

۱۹۳۵ء میں میرٹھ میں پیدا ہوئے ۱۹۴۷ء میں پاکستان ہجرت کی مختلف اخباروں سے وابستہ رہے۔ روزنامہ جسارت ایک عرصہ تک انکی ادارت میں نکلتا رہا۔ اس سے علیحدگی کے بعد ہفت روزہ تکبیر نکالا جس نے جلد ہی وہ پوزیشن اختیار کر لی کہ شدت کے ساتھ لوگ اس کا انتظار کرنے لگے۔ وہ مہاجر تھے لیکن مہاجر قومی موومنٹ کا کبھی ساتھ نہ دیا۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ غلط کو غلط کہتے تھے۔ غلاظت کو پاکیزگی کہنا یا پاکیزگی کو غلاظت ان کا طریقہ نہ تھا اور اس میں دوست و دشمن کی تمیز روا نہ تھی

صحافی قوم کی امانت ہوتا ہے، اور اس کا قلم عورت سے زیادہ مقدس، اگر عورت اپنی عصمت بیچتی ہے تو صرف ایک جسم بکتا ہے لیکن اگر صحافی کا قلم بک جائے تو پوری قوم بک جاتی ہے۔ اے پاکستانی قوم تو نے اس مقدس قلم کو توڑ کر اچھا نہیں کیا، تو نے اس شہید پاک مومن صحافی کو گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ تجھے بس وہ لوگ پسند ہیں جو نیند کی میٹھی گولیاں دیں، تھپک تھپک کر سلائیں، وہ ناصح شفیق جو تجھے خواب گراں سے بیدار کرنا چاہتا ہے، تیری بیماریوں کی تشخیص کرتا اور تیرے کینسر کو بتاتا ہے تو اسے نوچ لینے اور کھا جانے کو دوڑتی اور اسے گولیوں کا نشانہ بناتی ہے۔ ہائے، ہائے افسوس تیری عقل پر۔

مولانا خلیل احمد حامدی مرحوم کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، پاکستان ہی نہیں پورے عالم اسلام میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ سن ۱۹۲۹ء میں ضلع فیروز پور، برٹش ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ زمانہ طالب علمی سے جماعت اسلامی کے ساتھ وابستہ ہوئے اور تادم آخر ساتھ رہے۔ متعدد کتابوں کے مصنف اور مترجم اور مختلف اداروں کے ذمہ دار تھے۔ ۲۳، ۲۴ر نومبر ۱۹۹۴ء کی درمیانی شب میں "قصور" سے لاہور آتے ہوئے ایک ٹریفک حادثہ میں انتقال فرما گئے۔ اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت میں اونچا مقام عطا کرے

غزل

ایم اے شمسی دوگھروی

کوک کوئل کی پپیہے کی صدا اچھی لگی — مجھکو اپنے گاؤں کی آب و ہوا اچھی لگی

شہر کی رنگینیوں سے جی ہوا جب ملال — ہاں مگر دیہات کی سوندھی فضا اچھی لگی

اب نہ جانا شہر بیٹے مجھکو اکیلا چھوڑ کر — اپنے بچے کی یہ بھولی سی ادا اچھی لگی

مال و زر کی کیا طلب ہے تو سلامت رہ صدا — اپنی ماں کی ایک پیاری سی دعا اچھی لگی

دیکھکر شرما کے چہرا آنچل کو سر پہ ڈالنا — مشرقی تہذیب کی شرم و حیا اچھی لگی

جھیل جیسی اس کی آنکھیں ہے ڈوبیں شمسی تو کیا
اس کے زلفوں کی مگر کالی گھٹا اچھی لگی

ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی
ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

پہلی قسط

مکانات نبوی کی دینی وتمدنی اہمیت

مسجد نبوی کے ارد گرد ازواج مطہرات کے متعدد مکانات وحجرات اصلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکانات تھے جہاں آپ باری باری سے قیام فرماتے اور سکونت رکھتے تھے۔ اور یہ مبارک سلسلہ مدینہ منورہ کے دس سالہ عہد میں از اول تا آخر جاری وساری رہا۔ یہ سادہ مکانات اور معمولی حجرے نبوی حسن معاشرت اور بے مثال اسلامی گھریلو زندگی کے روشن منارے تو تھے ہی ان سے بڑھ کر دین وایمان کے مراکز، اسلام وعمل کے مدارس اور اسلامی علوم وفنون کے مکاتب بھی تھے۔ بنیادی طور سے وہ اسلامی تہذیب وتمدن کے اولین سرچشمے تھے۔ چونکہ ازواج مطہرات کے مکانات اصلاً اللہ جل جلالہ کے آخری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مساکن ومنازل تھے اس لئے منطقی طور سے ان کی اولین اہمیت اور اصلی قدر وقیمت ان کی دینی حیثیت میں مضمر تھی۔ وہ وحی الٰہی کے مہبط اور الہام ربانی کے مقامات نزول تھے۔ وہاں حضرت جبریل علیہ السلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسلسل قرآن کریم کی آیات کریمہ لے کر آتے رہتے تھے، وہ قرآن کی وحی متلو کے ساتھ ساتھ حدیث وسنت پر مشتمل وحی غیر متلو بھی لاتے تھے۔ وہیں دوسرے فرشتے بھی نزول کرتے تھے۔ ان ہی مکانات وحجروں میں اسلام کی نظری اور عملی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان کی دینی حیثیت اور اسلامی مقام ومرتبے نے ان کو وسیع تر تمدنی اہمیت بھی بخشی تھی۔ جو حیات انسانی کے گوناگوں پہلوؤں اور معاشرت بشری کے مختلف گوشوں کو محیط تھی۔ انہیں معاشرت واقتصاد، سیاست وانتظام، اور تہذیب وتمدن کے دوسرے تمام پہلو شامل تھے مکانات نبوی اور ازواج مطہرات کے حجرات کا اس لحاظ سے جامع ومفصل تجزیہ نہیں کیا گیا ہے۔ ہمارے اس مقالہ کا یہی مقصد ہے کہ روایات حدیث وسیرت اور واقعات تاریخ اسلامی کی بنیاد پر سیرت نبوی کے ایک اہم ترین پہلو کا تجزیہ کیا جائے۔

(۱) مہبطِ کلامِ الٰہی

چونکہ یہ مکاناتِ نبوی اللہ عزوجل کے آخری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہ سالہ قیامِ مدینہ منورہ کے دوران متبرک مساکن و منازل رہے تھے اس لئے یہ ظاہر و باہر حقیقت ہے کہ وہاں وقتاً فوقتاً قرآن کریم کی آیاتِ مبارکہ کا نزول ہوتا رہتا تھا۔ یہ ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس کے ثبوت و اثبات کے لئے کسی شہادت و گواہی، سند و توثیق اور حوالہ و حاشیہ کی ضرورت نہیں تاہم تفسیر و حدیث اور سیرت و تاریخ کی چند روایات بیان کرنی مناسب معلوم ہوتی ہیں کہ ان سے توثیق و تصدیق کے علاوہ سیرتِ نبوی کے بعض اہم، درخشاں اور دلچسپ پہلو ہم عاصی امتوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نشانِ راہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ انہیں سب سے اہم قرآن مجید کی سورہ احزاب کی آیت ۳۴ ہے جس میں ازواجِ مطہرات کو حکم دیا گیا ہے کہ "اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں اللہ کی باتیں (آیاتُ اللہ) اور عقلمندی (حکمت)۔۔۔" ان کے علاوہ دوسری آیاتِ کریمہ سے بھی نزولِ قرآن کا ذکر ملتا ہے۔ احادیث میں مقام و مرتبہ کے لحاظ سے وہ مرفوع روایت ہے جو امام بخاری اور امام ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مناقب و فضائل میں بیان کی ہے اور جس کے مطابق خود وحی مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ کے سوا اور کسی اہلیہ (امرأۃ) کے لحاف میں مجھ پر وحی نہیں نازل ہوئی۔ روایاتِ حدیث میں بعض الفاظ کا فرق ہے مگر ان سب کا مفہوم یہی ہے۔(۱) علوم قرآنی کے ماہرین میں امام واحدی، علامہ زرکشی حافظ سیوطی نے اور سیرت و تاریخ کے علماء و محققین میں ابن سعد وغیرہ نے اس حدیثِ نبوی کی تائید اپنی روایات سے کی ہے۔ ابن سعد نے اپنی متصل روایت میں حضرت عائشہ کے مناقبِ عشرہ خود ان کی اپنی زبانِ مبارک سے نقل کئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ "آپ پر اس وقت وحی نازل ہوتی تھی جب آپ میرے ساتھ ہوتے تھے اور جب کسی دوسری زوجہ مطہرہ کے پاس ہوتے تھے تو وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔(۲) ظاہر ہے کہ اس روایت کی بنا پر ان روایات سے تصادم پیدا ہوتا ہے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسری ازواجِ مطہرات کے ہاں بھی آپ پر وحی الٰہی نازل ہوا کرتی تھی۔ محدثینِ کرام، مفسرینِ عظام اور محققینِ علوم قرآنی کو اس تضاد و تنافر کا احساس تھا اس لئے انہوں نے جمع و تطبیق کی کوشش کی اور تصادم کو دور کیا۔ اس کے

مطابق حضرت عائشہ کو یہ فضیلت حاصل تھی کہ صرف ان کے لحاف میں وحی قرآنی نازل ہوتی تھی جبکہ دوسری ازواج مطہرات کے گھروں میں اور ان کی موجودگی میں تو نازل ہوتی تھی مگر ان کے لحاف و فراش میں نہیں ہوتی تھی (۲)۔ علامہ بدرالدین زرکشی نے اس سلسلہ میں بہت ہی اہم روایت یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول "إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ" الخ بھی رات میں نازل ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ کا بیان ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نازل ہوئی جب میں آپ کے ساتھ لحاف میں تھی اور آپ پر اکثر قرآن کریم دن میں نازل ہوا کرتا تھا۔ (۳)

بعض اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان و حجرہ اور موجودگی میں قرآن مجید کی کئی سورتوں اور آیتوں کا نزول ہوا۔ امام بخاری کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ مروی ہے کہ سورۃ البقرہ اور سورۃ النساء رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نازل ہوئیں جب میں آپ کے پاس تھی (ما نزلت سورۃ البقرۃ والنساء الا وانا عندہ...)۔ اور اس پر علماء و مفسرین کا اتفاق کہ حضرت عائشہ آپ کے گھر میں ہجرت مدینہ کے بعد ہی آئی تھیں (۵)۔ حافظ سیوطی نے کئی محدثین کی روایات کی بنیاد پر یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عائشہ کی تصریح کے مطابق حضرت بلال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز فجر کی اطلاع دینے کے لئے آئے تو آپ کو روتے ہوئے پایا۔ آپ سے وجہ گریہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ اس کا سبب اس رات آیت کریمہ "إن في خلق السموات والأرض واختلاف الليل والنهار لآيات لأولي الألباب" ہے۔ پھر آپ نے مزید فرمایا کہ اس شخص کے لئے خرابی (وَيْلٌ) ہے جو اس کی قرأت و تلاوت کرے اور تفکر سے کام نہ لے (۶)۔ بظاہر اس آیت کریمہ کا نزول حضرت عائشہؓ کے مکان و حجرہ میں ہوا تھا کہ رات کی نماز کی ادائیگی کے بعد سے سنت فجر کی ادائیگی تک معمول نبوی یہ تھا کہ آپ اپنی ازواج مطہرات میں سے باری والی زوجہ مطہرہ کے گھر ہی میں قیام رکھتے اور اقامت صلوٰۃ کرتے تھے اور حضرت بلال کی اطلاع کے بعد ہی مسجد جاتے تھے (۷)۔ اس سنت مطہرہ کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تمام آیات کریمہ اور سورتیں جو قیام مدینہ منورہ کے دوران رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر رات میں نازل ہوئیں وہ سب کی سب ازواج مطہرات میں سے کسی نہ کسی کے مکان و حجرے میں اتری تھیں۔

حافظ سیوطی نے ایسی تمام روایات کو اتقان میں بیان کیا ہے جن میں چند متعلقہ روایات کا ذکر

آگے آتا ہے۔ یہاں صرف ان آیات کریمہ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ جن میں ازواج مطہرات میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ ایک قول اور نقطہ نظر کے مطابق بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف قبلہ کی تبدیلی کا حکم صادر کرنے والی آیات کا نزول رات کو ہوا تھا۔ امام طبرانی نے حضرت عصمہ بن مالک خطمی کی سند سے اور ترمذی اور حاکم نے حضرت عائشہ کی سند سے بیان کیا ہے کہ آیت کریمہ "واللہ یعصمک من الناس" بھی رات میں نازل ہوئی تھی جبکہ آپ کی حفاظت کے لئے پہرا لگایا جاتا تھا مگر وہ ان روایات اور بعض دوسری روایات سے بھی مدینہ منورہ کے باہر غزوہ کے دوران خیمہ میں قیام کا معاملہ ہے(۹) بخاری کی ایک روایت سے واضح ہوتا ہے کہ سورہ البقرہ کی آیت ۱۰۹ حضرت عائشہ کے گھر میں نازل ہوئی تھی اور ان کے نزول کے بعد آپ نے مسجد جاکر ان کا اعلان کیا تھا۔ اسی طرح سورۂ فلق و سورہ ناس (معوذتین) بھی رات میں نازل ہوئی تھیں (۱۰) ان کے علاوہ بھی بعض سورتیں اور آیتیں رات میں اتری تھیں جن سے سردست ہم کو بحث نہیں (۱۱)

جن آیات کریمہ کے بارے میں صراحت کے ساتھ ذکر آتا ہے کہ وہ ازواج مطہرات میں سے کسی نہ کسی کے گھر میں نازل کی گئی تھیں ان میں سے سورہ احزاب کی آیت کریمہ "یا ایہا النبی قل لازواجک وبناتک" الخ تھی۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سند پر روایت نقل کی ہے کہ حجاب و پردہ کے نزول کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اپنے کام سے باہر نکلیں وہ بھاری بھرکم خاتون (امرأۃ جسیمۃ) تھیں اور جاننے والوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمر کی نگاہ جیسے ہی ان پر پڑی تو انہوں نے پکار کر کہا: سودہ خدا کی قسم تم ہم سے چھپ نہیں سکتیں لہٰذا دیکھو کہ تم کیسے باہر نکلتی ہو۔ وہ الٹے پاؤں لوٹ آئیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر سارا ماجرا بتایا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت جبکہ آپ کھانا کھا رہے تھے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے تم لوگوں کو اپنی ضرورت سے باہر نکلنے کی اجازت دے دی ہے۔ سیوطی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ قاضی جلال الدین کے مطابق یہ آیت کریمہ رات میں نازل ہوئی تھی کیونکہ ازواج مطہرات حاجت کے لئے رات ہی میں باہر نکلا کرتی تھیں جیسا کہ صحیح میں حدیث افک کے بارے میں حضرت عائشہ سے مروی ہوا ہے (۱۲)

حافظ سیوطی اور قاضی جلال الدین دونوں کو رات میں باہر نکلنے کو بتانے والی حدیث امکانی طور سے استدلال
کی مخالف ضرورت اس لئے پڑی کہ انہوں نے امام بخاری وغیرہ کی روایت پر غور نہیں کیا جس میں
واضح طور سے یہ ذکر کیا ہے کہ آپ رات کا کھانا کھا رہے تھے (وانہ لیتعشی) اور اسی طرح دونوں
نے امام بخاری کی روایت کی یہ تصریح بھی چھوڑ دی ہے کہ اس آیت کریمہ کا نزول حضرت عائشہ
کے گھر میں ہوا تھا کیونکہ روایت مذکورہ بالا میں حضرت عائشہ نے صاف ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر (فی بیتی) میں رات کا کھانا کھا رہے تھے (۱۳)

ابن سعد نے حضرت عائشہ کے بارے میں ایک دلچسپ اور اہم روایت یہ بیان کی
ہے کہ حضرت زید بن حارثہ کے حضرت زینب بنت جحش کو طلاق دینے کے بعد ایک دن رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ آپ
پر وحی اترنے کی کیفیت (غشیہ) طاری ہوگئی اور جب وہ کیفیت دور ہوئی تو آپ نے مسکرا کر
فرمایا زینب کے پاس جا کر کون انہیں بشارت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان میں ان کا نکاح
میرے ساتھ کر دیا ہے؟ پھر آپ نے آیت کریمہ (واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ
امسک علیک زوجک، الاحزاب ۳۷) پوری کی پوری قصے کے تلاوت فرمائی. حضرت عائشہ فرماتی
ہیں کہ مجھے حضرت زینب کے حسن و جمال اور آسمان پر آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نفس تعیین
ان کی شادی کرنے وغیرہ جیسے بعض اسباب و عوامل کے سبب بہت سے قریب و دور کے
خدشات و وسوسوں نے گھیر لیا اور میں نے کہا کہ وہ اس بنا پر ہم پر فخر کیا کریں گی. حضرت عائشہ
کا یہ بھی بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ حضرت سلمٰی جو اس وقت وہاں موجود تھیں
تیز رفتاری سے حضرت زینب کے پاس پہونچیں اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی جس پر انہوں نے خوش
ہو کر خادمہ نبوی کو اپنی پازیب (اوضاح) دے دی (۱۴). حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں
مذکورہ بالا آیات کریمہ کے نزول کا ذکر ہمارے مقصد کے لئے کافی ہے. تلاش و جستجو سے امکان
ہے کہ مزید مثالیں مل جائیں گی۔

دوسری زوجہ مطہرہ جن کا ذکر خیر اور جن کے مکان و حجرہ کا بالواسطہ یا بلاواسطہ نزول
قرآن کریم کے ضمن میں روایات میں نسبتاً زیادہ آیا ہے وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں. ام

بخاری اور امام مسلم نے حضرت کعب بن مالک سے غزوۂ تبوک میں انکی بلا عذر شرعی عدم شرکت کی پاداش میں سزا کے الجھی اور پھر توبہ قبول ہونے کے بارے میں ایک طویل حدیث نقل کی ہے اس میں یہ تصریح آئی ہے کہ جس رات انکی توبہ سے متعلق آیات کریمہ نازل ہوئیں اس رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ ام المومنین حضرت کعب بن مالک کی اکثر سفارش کیا کرتی تھیں کہ وہ ان کے کردار اور قصور دونوں کو اچھی طرح جانتی تھیں۔ آیات توبہ کے نزول کے فوراً بعد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت کعب کی توبہ قبول ہونے کی خبر دے دی۔ ام المومنین نے آپ سے اجازت چاہی کہ حضرت کعب کو کسی آدمی کے ذریعہ خوش خبری سنا دیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کا ازدحام ہو جائے گا اور وہ تمہیں سونے نہ دیں گے بقیہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح آپ نے لوگوں کو خوشخبری سنائی اور بنو اسلم کے ایک شخص نے کوہ سلع پر چڑھ کر حضرت کعب کو اپنی بلند آواز میں ان کی توبہ کی قبولیت کی خوشخبری پہونچا دی (۱۵) واقدی نے اپنی سند سے یہ حدیث کعب بھی بیان کی ہے اور حضرت ام سلمہ کا قول بھی نقل کیا ہے۔ اس میں یہ فرق ہے کہ آپ نے حضرت کعب اور ان کے دونوں ساتھیوں کی توبہ قبول ہونے کی اطلاع دی تھی اور ان سب کو بشارت سنانے کے لئے کسی کو بھیجنے کی اجازت مانگنے پر آپ نے فرمایا تھا کہ لوگ تمہیں آخر رات میں سونے نہ دیں گے لہذا ان کو صبح ہونے تک مہلت دو۔ واقدی کی روایت میں یہ اہم اضافہ ہے کہ کوہ سلع سے حضرت کعب کو پکار کر بشارت سنانے والے حضرت ابوبکر صدیق تھے جبکہ حضرت زبیر گھوڑے پر سوار ہو کر گئے تھے مگر ان کے پہونچنے سے قبل آواز صدیقی حضرت کعب نے سن لی تھی۔ بعض اور دوسرے اختلاف و فرق بھی ہیں۔ جن سے اس وقت ہمیں یہاں بحث نہیں (۱۶)

انہیں صاحب مغازی واقدی کے ہاں ایک اور روایت یہ بیان ہوئی ہے کہ حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر اوسی کی توبہ سے متعلق آیت کریمہ بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں نازل ہوئی تھی۔ روایات کے مطابق حضرت ابولبابہ نے بنو قریظہ کو ان کے ہتھیار ڈالنے اور حکم نبوی پر گھٹنے ٹیکنے سے قبل اشارتاً بتا دیا تھا کہ ان کا انجام قتل کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا پھر ان

کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی میں ایک ستون سے آکر باندھ لیا کہ غلطی کی سزا پائیں۔ یہ واقعہ تو بعد میں آئے گا یہاں اس کا حوالہ محض سلسلہ کلام کو سمجھنے کے لئے دیدیا گیا ورنہ اصل مقصود اس روایت کو بیان کرنا ہے جو ان کی توبہ کے نزول سے متعلق ہے یہ روایت واقدی نے عبداللہ بن یزید بن قسیط سے اور ان کے والد کے ذریعہ محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان سے نقل کی ہے اور موخر الذکر نے حضرت ام سلمہ سے سنا تھا کہ ابولبابہ کی توبہ میرے گھر (بیت) میں نازل ہوئی۔ حضرت ام سلمہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سحر کے وقت ہنستے ہوئے سنا تو وجہ پوچھی آپ نے فرمایا کہ ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی۔ میں نے آپ سے اجازت چاہی کہ ان کو اطلاع کر دوں آپ نے جب اجازت مرحمت فرمادی تو میں حجرہ کے دروازے پر کھڑی ہوئی۔ یہ واقعہ حجاب (پردہ) کے حکم کے نزول سے قبل کا ہے اور میں نے ابولبابہ کو براہ راست مخاطب کرکے ان کی توبہ قبول ہونے کی خوشخبری دی۔ لوگوں نے ان کو کھولنے کے لئے اقدام کیا مگر انہوں نے دست نبوی کی سعادت کے ذریعہ رہائی کو ترجیح دی۔ لہذا صبح کے وقت آپ نے بنفس نفیس ان کو کھولا۔ واقدی نے اس روایت میں سورہ توبہ ۱۰۲: وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ الخ کو انکی توبہ میں نازل ہونے والی آیت بتایا ہے اور پھر یقال (کہا جاتا ہے) کی علامت ضعف سے ذکر کیا تھا سورہ انفال ۲۷ اور زہری کی سند پر سورہ مائدہ ۴۱ کو اس سلسلہ میں نازل ہونے والی آیات بیان کرکے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک زیادہ ثابت (اثبت) سورہ توبہ ۱۰۲ ہی ہے (۱۰)۔ حافظ ابن کثیر نے دو اقوال نقل کئے ہیں اول حضرت مجاہد کا جنہوں نے واقدی کی تائید کی ہے اور دوسرا حضرت ابن عباس کا جو اگرچہ اس کی شان نزول حضرت ابولبابہ کے واقعہ ہی کو مانتا ہے تاہم وہ اس کو غزوہ تبوک میں بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک ہونے کا سبب اور موقع قرار دیتا ہے بقیہ تفصیلات وہی ہیں جو واقعہ حضرت ابی لبابہ میں اوپر مختصراً آئیں۔ دوسرے قول کو اگرچہ بعض جدید و قدیم مفسرین نے بیان کیا ہے تاہم اس کو موجودہ معلومات کی بنیاد پر قبول کرنا مشکل ہے کیونکہ حضرت ابولبابہ اور ان کے ساتھیوں کے غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے اور مسجد نبوی میں اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ لینے کی کوئی قابل اعتماد روایت نہیں ملتی۔ حافظ ابن کثیر نے بخاری کی نقل

کردہ حضرت سمرہ بن جندب کی حدیث بھی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں نقل کی ہے جس میں اس
واقعہ کا ذکر نہیں ہے۔ امام ترمذی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب حضرت عمر بن ابی
سلمہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ سورۂ احزاب کی آیت کریمہ ۳۳: إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ
عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ بھی حضرت ام سلمہ کے گھر میں (بیت) میں نازل ہوئی تھی (۱۹)
حافظ سیوطی نے تین آیات کریمہ — آل عمران ۱۹۵، نساء ۳۲ اور احزاب ۳۵ — کے
بارے میں کہا ہے کہ وہ حضرت ام سلمہ کے استفسار/سوال کے بعد ہی نازل ہوئی تھیں۔ انہوں
نے اول الذکر کی شان نزول میں ترمذی اور حاکم کی روایات ام المومنین کی سند پر بیان کی
ہے اور باقی دونوں کو حاکم کی بیان کردہ روایات ام المومنین کے ذریعہ۔ جبکہ حافظ ابن
کثیر نے ایک سے زیادہ روایات نقل کی ہیں مگر ان میں آیت کے ان کے گھر میں اترنے کا ذکر
نہیں ہے (۱۹) جب کہ دوسری آیت کریمہ کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے امام احمد بن حنبل
امام ترمذی، امام ابن مردویہ اور امام حاکم وغیرہ کی سند پر بھی شان نزول تو بیان کی ہے مگر موقع
کا ذکر نہیں کیا (۲۰) تیسری آیت کریمہ کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے اگرچہ موقع نزول آیت
کا حوالہ نہیں دیا ہے مگر امام احمد کی جو روایت اور امام نسائی اور ابن جریر وغیرہ کی دوسری
روایات بیان کی ہیں ان میں سے اول الذکر میں خاص کر حضرت ام سلمہ کا یہ بیان منقول ہے
کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قرآن کریم میں جس طرح مردوں کا ذکر کیا
جاتا ہے ہم عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ میرے اس سوال پر ایک دن بھی نہیں گذرا تھا کہ منبر
نبوی سے آپ کی آواز (ندا) آئی۔ میں اس وقت اپنے بال سنوار رہی تھی، جلدی سے اپنے
بال باندھے اور اپنے حجرے یعنی اپنے گھر کے حجرے (حجرتی / حجرۃ بیتی) کی طرف پہونچی اور
کھجور کی ٹٹی (جرید) کے پاس کان لگائے تو آپ کو اس آیت کریمہ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا (۲۱)
ان تمام روایات و واقعات میں اگرچہ موقع نزول کا ذکر نہیں تاہم اس امکان کو غیر مسترد نہیں
کیا جا سکتا کہ وہ آیت کریمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان و حجرے میں نازل ہوئی ہو۔
یہی معاملہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۱ کے بارے میں حضرت ام سلمہ کی روایت کا معلوم ہوتا ہے
جس میں یہ ذکر تو واضح ہے کہ وہ آخر میں نازل ہونے والی آیت کریمہ تھی مگر اس میں بھی موقع

نزول کا ذکر نہیں (۲۷) لیکن ان کے اس بیان سے کہ آپ اس کے نزول کے بعد صرف تین راتیں
اس دار فانی میں مقیم رہے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید اس کا نزول ان کے گھر کے قیام کے دوران
ہی ہوا ہو۔

ہو سکتا ہے کہ اوپر کے بعض قیاسات وامکانات صحیح نہ ہوں مگر آیات حجاب کا حضرت ام المؤمنین
زینب بنت جحش کے گھر (بیت) میں نازل ہونے کا معاملہ قطعی معلوم ہوتا ہے۔ روایات سیرت
میں ابن سعد کے ہاں کئی ایسی ہیں جو اس واقعہ کی تصدیق کرتی ہیں اور ان کا مجموعہ بتاتا ہے کہ حضرت
زینب بنت جحش سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کی خبر سن کر حضرت انس کی ماں حضرت ام
انس نے "عروس نو" کے لئے کھانا پکا کر بھیجا۔ حضرت انس جب کھانا لے کر آئے تو آپ نے ان
کے ذریعہ پہلے حضرات ابوبکر، عمر، عثمان و علی اور بعض دوسرے لوگوں کو نامزد کر کے کھانے پر آنے
کیلئے بھیجا اور پھر مسجد نبوی کے تمام نمازیوں اور حاضرین کو بلا بھیجا یہاں تک کہ گھر (بیت) بھر
گیا۔ جب مسجد میں کوئی نہیں رہ گیا تو آپ نے راستہ (طریق) پر موجود لوگوں کو بلا بھیجا تا آنکہ
حجرہ بھر گیا۔ جب کوئی نہ رہ گیا تو آپ نے برتن (تور) منگوا کر کھانا کھلایا اور اللہ کے فضل و کرم
اور آپ کی معجزانہ برکت سے برتن میں کھانا جوں کا توں باقی رہا اور لوگ کھا کھا کر سیراب
ہوتے گئے حتی کہ گھر میں جمع تمام افراد اور حجرہ میں موجود تمام مدعوئین پیٹ بھر کر کھا چکے۔ روایات
کے مطابق اکثر یا بیشتر افراد نے خوب جی بھر کر کھانا کھایا اور روانہ ہوتے گئے مگر چند لوگ اندر
گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ آپ کو ان کے ٹھہرنے سے تکدر ہوا تو آپ ازواج مطہرات کے
حجروں کے پاس جا جا کر ان کو سلام کرتے اور اپنی نئی اہلیہ محترمہ کے بارے میں خیر خبر بتلاتے رہے
اسی دوران آپ کو اطلاع ملی کہ لوگ چلے گئے تو گھر کی طرف مڑے اور داخل ہو گئے۔ میں نے
داخل ہونا چاہا تو آپ نے پردہ گرا دیا اور اسی وقت آیات حجاب نازل ہوئیں۔ ایک روایت میں
(۲۸) تصریح ہے کہ لوگوں کی دعوت و موجودگی میں آپ حضرت زینب کے ساتھ گھر (بیت) میں تھے
حدیث کی روایات میں اصل واقعہ یکساں ہے صرف چند جزئیات کا فرق ہے۔ مثلاً ایک فرق یہ ہے
کہ آپ کے اٹھنے کے بعد سب لوگ اٹھ گئے صرف تین افراد بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ دوسرا یہ
ہے کہ آپ کی دعوت اور حضرت انس کے بلاوے پر کچھ لوگ (قوم) آتے اور کھا کر چلے جاتے

تیسرا یہ فرق ہے کہ ان میں مدعوئین کے نام اور انکے مقامات کا ذکر نہیں ہے۔ اور چوتھا اہم یہ کہ جب آپ حجرۂ عائشہ کی طرف جا رہے تھے تب آپ کو لوگوں کے جانے کی خبر ہوئی اور واپس ہوئے اور ابھی آپ کا ایک قدم مبارک دہلیز کے اندر اور ایک باہر تھا کہ آپ نے حضرت انس اور اپنے درمیان پردہ گرا دیا اور آیت حجاب کا نزول ہوا۔ بعض اور فرق بھی پائے جاتے ہیں جن کا ذکر یہاں نظر انداز کیا جاتا ہے (۲۴) حافظ ابن کثیر وغیرہ مفسرین کرام نے سورۂ احزاب کی آیاتِ حجاب کی شانِ نزول سے متعلق تمام روایات و احادیث جمع کر دی ہیں، جن میں مذکورہ بالا روایات کے علاوہ حضرات قتادہ، واقدی، ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ، خلیفہ بن خیاط وغیرہ کے اقوال اور ائمہ حدیث نسائی، اسحاق بن منصور، ابن ابی حاتم، ابن جریر طبری، عبداللہ بن مبارک، احمد بن حنبل وغیرہ کی روایات و احادیث شامل ہیں۔ ان میں ابن ابی حاتم کی نقل کردہ روایت میں یہ آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پایانِ کار اپنے گھر یعنی حضرت زینب کے گھر میں داخل ہوئے اور راوی حدیث یعنی شاہد واقعہ حضرت انس بن مالک کے داخل ہونے سے قبل پردہ گرا دیا پھر آپ تھوڑی دیر (بیٹھے) اپنے گھر میں نہ ٹھہرے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن کریم نازل کیا اور آپ گھر سے باہر تشریف لائے آیت کریمہ احزاب ۵۳ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ ... الخ (اے ایمان والو! مت جاؤ گھروں میں نبی کے، مگر جو تم کو حکم ہو ......) تلاوت فرما رہے تھے۔ اس سے پہلے ایک اور تصریح جو ہمارے موضوع کے لحاظ سے کافی اہم ہے یہ بھی آئی ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہ کر بات چیت (گفتگو) میں لگ گئے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ جن کے ساتھ آپ کی نئی شادی ہوئی تھی دیوار (حائط) کی جانب اپنا منہ (وجہہا) کئے ہوئے وہیں تشریف فرما تھیں (۲۵) ان تمام روایات سے قطعی طور سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات حجاب حضرت زینب بنت جحش ام المومنین رضی اللہ عنہا کے گھر میں نازل ہوئی تھیں۔

اگرچہ اور دوسری امہات المومنین کے متبرک گھروں (بیوت) میں آیاتِ قرآنی اور وحیِ الٰہی کے نزول کے بارے میں صاف تصریحات اور واضح روایات نہیں مل سکی ہیں لیکن تلاش و تحقیق سے چند مثالوں کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ...... کے خاتمہ پر امہات المومنین

کو جو تخییر و اختیار کا حق دیا گیا تھا اس سے متعلق آیاتِ قرآنی (سورۂ احزاب ۳۳: ۲۸-۲۹) کا نزول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ و بیت پر واقع مشربہ میں ہوا تھا (۲۶)۔ اسی طرح غالباً حضرت عائشہ کو حضرت سودہ کے اپنی باری دینے کے واقعہ سے متعلق آیات بھی کسی نہ کسی زوجہ مطہرہ کے گھر میں نازل ہوئی تھیں (۲۷)۔ قیاس غالب ہے کہ شہد کی تحریم سے متعلق آیاتِ قرآنی بھی کسی اہلیہ محترمہ کے گھر میں نازل کی گئی تھیں۔ (۲۸) ان تمام واضح روایات اور قرآنی اشارات سے بہرحال یہ حقیقت واقعہ واضح ہوتی ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہا کے مکانات تجلیاتِ الٰہی کے مرکز اور آیاتِ قرآنی کے نزول کے مقامات تھے۔

(ب) تلاوت و اعلانِ کلامِ الٰہی

قرآن کریم کی جن آیات کریمہ کے نزول کا ذکر آیا ہے ان کے بارے میں یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ ان کی تلاوت اور ان کا اعلان بھی ازواجِ مطہرات کے مکاناتِ مقدسہ میں ہوا تھا خواہ روایات و احادیث میں اسکی تصریح ہو یا نہ ہو۔ اور جن روایات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات کے مکانوں میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی تصریح آئی ہے ان میں سے ایک سورۂ آل عمران کی آیت کریمہ ۱۹۰ ہے۔ جس کی تلاوت نزول کے بعد آپ نے حضرت عائشہ کے حجرے میں کی تھی۔ حافظ سیوطی کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس رات صرف اسی آیت کی نہیں بلکہ سورۂ آل عمران کے اواخر کی تمام آیاتِ کریمہ (۱۹۰ تا ۲۰۰) کی تلاوت آپ نے کی تھی۔ اسی طرح سورۂ احزاب کی وہ آیات جو ازواجِ مطہرات کو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دنیا میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حق دینے کے سبب آیاتِ تخییر کہلاتی ہیں اور جو ۲۸-۳۲ ہیں انکی تلاوت بھی آپ نے پہلے حضرت عائشہ کے حجرے میں کی تھی اور پھر دوسری ازواج کے حجرے میں اتری تھیں اور وہیں اول اول ان کی تلاوت بھی کی گئی تھی (سورۂ احزاب ۳۳: ۲۸-۲۹) اور اسی سورہ کی آیاتِ حجاب کی تلاوت بھی حضرت زینب بنت جحش کے مکان سے شروع ہوئی تھی (آیات ۵۳-۵۵)۔ حضرت ابولبابہ اوسی اور حضرت کعب بن مالک کی توبہ قبول ہونے کا اعلان کرنے والی آیات حضرت ام سلمہ کے گھر (بیت) میں اول بار تلاوت کی گئی تھیں۔ ابھی تک ہماری تحقیق نزولِ قرآن کریم کے بارے میں مکمل نہیں کہ کتنی آیات کریمہ اور کتنی سورتیں ازواجِ مطہرات

کے گھروں میں نازل ہوئی تھیں اس کے باوجود یہ دعویٰ بلا خوف تردید کیا جاسکتا ہے کہ تمام معلوم غیر معلوم آیات قرآنی اور سورتہائے ربانی کی اولین تلاوت ان متبرک مقدس و متبرک گھروں میں کی گئی تھی۔

اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت عام خواہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہوں یا ازواج مطہرات ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کی تائید و توثیق کے لئے کسی شہادت و گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔ روایات واحادیث سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز و غیر نماز دونوں حالتوں میں اکثر قرآن کریم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور اس کا معتد بہ حصہ اپنے مکانات و منازل کے لئے بھی مخصوص کر رکھا تھا۔ صحاح کی روایت کے مطابق سورۂ احزاب کی آیات کریمہ ۵۰-۵۱ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مومن عورتوں کے اپنا نفس ہبہ کرنے سے متعلق ہیں غالباً حضرت عائشہ کے مکان میں نازل ہوئی تھیں اور آپ نے انکی تلاوت اسی وقت کی تھی۔ احادیث کے مطابق حضرت خولہ بنت حکیم نے اپنے نفس کو آپ کے لئے ہبہ کیا تھا جو بقول حضرت عائشہ ان آیات کے نزول کا سبب بنا۔ مگر ان تمام شہادتوں اور گواہیوں سے اہم اللہ تعالیٰ کی ناقابل تردید شہادت ہے جس کے آگے اور کسی شہادت کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ سورۂ احزاب ۳۴ میں ارشاد الٰہی ہے۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا	اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں اللہ کی باتیں اور عقلمندی بیشک اللہ ہے بھید جاننا خبردار۔

سورۂ کریمہ کی آیت ۲۸ سے خطاب برابر ازواج مطہرات سے چلا آرہا ہے اور اسی حکم پر یہ پردہ ختم ہوتا ہے۔ اس میں واضح طور سے بیان کیا گیا ہے کہ ازواج مطہرات کے گھروں میں آیات الٰہی کی تلاوت کے علاوہ حکمت و سنت کی بھی تلاوت ہوا کرتی تھی۔ حافظ ابن کثیر نے امام ابن جریر طبری کا قول نقل کیا ہے کہ اس میں یاددہانی کرائی گئی تھی کہ اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو اور اس کا شکر ادا کرو کہ تم کو ایسے مکانات میں رکھا جن میں اللہ کی آیات اور حکمت کی باتیں تلاوت کی جاتی ہیں۔ حکمت سے سنت مراد لی ہے حافظ ابن کثیر نے حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بطور خاص ذکر کیا ہے اور قتادہ وغیرہ کا قول نقل کیا ہے کہ ازواج مطہرات پر یہ اللہ کی نعمت خاص تھی جو اور لوگوں کو عطا نہیں کی گئی تھی (۲۹) ظاہر ہے کہ ایسے بیشمار مواقع آئے تھے جن کی تفصیل مشکل ہے۔

تعلیقات وحواشی

(۱) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب البہ ——— فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب فضل عائشہ مسلم، الجامع الصحیح باب فضل عائشہ کتاب الفضائل، ترمذی، ابواب المناقب، مناقب عائشہ۔

(۲) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۹۵۸ء ہشتم صفحہ ۴۳ نے یہ روایت حجاج بن نصر سے اور انہوں نے عیسیٰ بن میمون سے اور انہوں نے قاسم بن محمد سے روایت کی ہے اور موخر الذکر نے براہ راست حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبان مبارک سے سنی تھی۔

(۳) جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، قاہرہ ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۲ نے حدیث مذکورہ بالا کے تعلق سے حضرت عائشہ کے فراش (بستر) کا ذکر کیا ہے پھر جمع وتطبیق اور رفع اشکال کے ضمن میں یہ کہا ہے کہ قاضی جلال الدین کے مطابق غالباً حضرت ام سلمہ کے فراش میں اترنے والی وحی کا واقعہ حضرت عائشہ کے واقعہ سے پہلے کا تھا۔ پھر سیوطی کہتے ہیں کہ میں اس سے بہتر جواب حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ سے انکے دو مناقب امتیازی بیان کرنے والی حدیث نقل کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ جب آپ کے اہل کے درمیان آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو وہ آپ سے دور ہٹ جاتے تھے آپ کے پاس سے چلے جاتے تھے اور میرا معاملہ یہ تھا کہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے ساتھ آپ کے لحاف میں رہتی تھی نیز ملاحظہ ہو اتقان کا اردو ترجمہ مولانا محمد حلیم انصاری، ادارہ اسلامیات لاہور جلد اول

محدث ابو یعلیٰ نے جو توجیہ کی ہے وہ ایک روایت پر مبنی ہے تاہم اس میں دو فرق ہیں اول یہ کہ مناقب عشرہ کی جگہ مناقب تسعہ ہے جب کہ قرآن کریم کے نزول کے وقت دوسرے اہل کے آپ سے انصراف کرنے کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے اس روایت کو قبول کرنے کی صورت میں بعض

دوسری روایات سے تصادم وتعارض پیدا ہو جاتا ہے جس کا دور کرنا تقریباً ناممکن ہے کیونکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دوسرے اہل نزول قرآن کریم کے وقت موجود رہتے تھے جیسا آئندہ دوسری ازواج مطہرات کے ذکر خیر کے ضمن میں معلوم ہوگا۔ اصل فرق جو تصادم وتعارض کے لئے کسی گنجائش کا امکان ہی نہیں چھوڑتا ہے یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لحاف کا ذکر واضح آتا ہے جبکہ دوسری روایات میں دوسری ازواج مطہرات کے پاس نزول وحی الٰہی کے ضمن میں ان کے "لحاف" کا ذکر نہیں آتا بلکہ ان کے "پاس" "عند" وغیرہ کے الفاظ آتے ہیں اور ظاہر ہے کہ پاس ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ اس وقت لازمی طور سے ان کے لحاف وبستر میں ہوتے۔ یہ امتیاز وشرف یا شرکت غیر صرف ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل تھا۔ لہٰذا اس صورت میں کوئی تعارض نہیں باقی رہتا۔

(۴) بدرالدین زرکشی، البرہان فی علوم القرآن، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، عیسیٰ البابی الحلبی قاہرہ ۱۹۵۷ء، اول ص۱۹۹۔ اس کی کوئی سند مذکور نہیں ہے۔ محقق نے سورہ قصص ۵۶ کی تو تصریح کی ہے اور حاشیہ میں گرمی وسردی میں نازل ہونے والی آیات قرآنی کا ذکر کیا ہے اور جس کا حوالہ یہ دیا ہے کہ سیوطی نے واحدی سے اتقان میں نقل کیا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لحاف میں قرآن ووحی کے نازل ہونے کا ذکر تو کئی روایات میں ملتا ہے مگر خاص مثال اور مخصوص آیت کریمہ کا ذکر ابھی تک مجھے صرف اس روایت زرکشی ہی مل سکا ہے۔ امکان ہے کہ تفحص وجستجو سے اور مثالیں بھی مل جائیں۔ البتہ اس پر حیرت ہے کہ حافظ سیوطی نے زیادہ سے زیادہ روایات جمع کرنے کے جوش وولولے کے باوجود اس روایت زرکشی کو نظرانداز کردیا ہے۔

سورہ قصص کی مذکورہ بالا آیت کریمہ ۵۶ پوری یوں ہے۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ	تو راہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے پر اللہ راہ پر لاوے جس کو چاہے۔ اور وہی خوب جانتا ہے جو راہ پر آویں گے۔ (ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی)

حافظ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، عیسیٰ البابی الحلبی، قاہرہ غیر مورخہ سوم ص۳۹۴ نے لکھا

ہے کہ محققین سے ثابت ہے کہ یہ آیات کریمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی تھی حالانکہ وہ آپ کی حفاظت و نصرت کیا کرتے تھے مگر آپ کی دعوت پر حتیٰ کہ اپنی وفات کے وقت بھی آپ کی کوشش کے باوجود ایمان نہیں لائے اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن کثیر نے اسی روایت کے مختصر و مختلف الفاظ میں ترمذی اور مسند احمد بن حنبل کے ہاں مذکور ہونے کا ذکر کیا ہے اور ابوطالب کے بارے میں اس کے نازل ہونے کا خیال و عقیدہ حضرات ابن عباس ابن عمر، مجاہد، شعبی اور قتادہ سے نقل کیا ہے۔ شاہ عبدالقادر موضح القرآن تاج کمپنی لاہور ص ۴۹۵، مولانا شبیر احمد عثمانی، ترجمہ و تفسیر قرآن مجید دار التصنیف کراچی ۱۹۸۹ء، ص ۵۰۵؛ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۲ء سوم ص ۶۵۰ اور دوسرے متعدد مفسرین و مترجمین نے یہی رائے بیان کی ہے۔ جبکہ شاہ ولی اللہ دہلوی فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن تاج کمپنی لاہور ص ۴۶۲ اور مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۹ء پنجم ص ۶۹۱ نے شان نزول کا قطعی ذکر نہیں کیا ہے۔

ان روایات و بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت کریمہ کے شان نزول اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زرکشی کی بیان کردہ مذکورہ بالا روایت ایک دوسرے سے متصادم ہیں کیونکہ ابوطالب کی وفات مکہ مکرمہ میں ہجرت مدینہ سے تین سال قبل ہو گئی تھی جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے ہاں رخصت ہو کر مدینہ منورہ میں شوال سنہ ۱ھ میں آئی تھیں اس کی کچھ توضیح مولانا مودودی کے ہاں ملتی ہے جو فرماتے ہیں: "اس لئے اس روایت اور اسی مضمون کی ان دوسری روایات سے ... لازماً یہی نتیجہ نہیں نکلتا کہ سورۂ قصص کی یہ آیت ابوطالب کی وفات کے وقت نازل ہوئی تھی۔ بلکہ ان سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے مضمون کی صداقت سب سے زیادہ اس موقع پر ظاہر ہوئی ..."۔ ... اس سے پہلے وہ شان نزول کے بارے میں کہہ چکے ہیں کہ "لیکن محدثین و مفسرین کا یہ طریقہ معلوم و معروف ہے کہ ایک آیت عہد نبوی کے جس معاملہ پر چسپاں ہوتی ہے اسے وہ آیت کی شان نزول کے طور پر بیان کرتے ہیں۔"
دراصل شان نزول کے بارے میں علامہ عبدالحمید فراہی اور ان کے ہم خیال مفسرین و محققین کا نقطۂ نظر زیادہ صحیح ہے کہ شان نزول کا مطلب ... یہ نہیں کہ وہ کسی آیت یا سورہ کے نزول

کا سبب ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد لوگوں کی وہ حالت و کیفیت ہوتی ہے جس پر وہ کلام بر موقع حاوی ہوتا ہے"۔ انہوں نے برہان زرکشی کا قول نقل کیا ہے کہ "فلاں آیت فلاں بارے میں نازل ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ وہ آیت اس حکم پر مشتمل ہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بعینہٖ وہ بات اس آیت کے نزول کا سبب ہے" ملاحظہ ہو تفسیر نظام القرآن، اردو ترجمہ امین احسن اصلاحی، دائرہ حمیدیہ سرائے میر ۱۹۹۰ء، ص ۲۷

(۵) بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ، مسلم، صحیح، کتاب النکاح میں باب مؤخر الذکر میں شوال کا ذکر ہے۔ سیوطی، اتقان، ص ۳۱۔ نیز ملاحظہ ہو سید سلیمان ندوی، سیرت عائشہ، اعظم گڑھ ۱۹۹۰ء، ص ۱۰۰

عام طور سے علماء و مفسرین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان دونوں سورتوں کا نزول حضرت عائشہ کی رخصتی کے بعد ہوا تھا اس لئے وہ دونوں مدنی ہیں۔ اس لئے اس بنیاد پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ لازمی طور سے حضرت عائشہ کے گھر یا موجودگی میں نازل ہوئی تھیں مگر اسی طرح اس کے امکان سے یکسر انکار بھی نہیں کیا جا سکتا تاوقتیکہ کوئی روایت حتمی طور سے اس کی تردید کر کے اسے خارج از امکان ذکر دے۔

(۶) سیوطی، اتقان: ص ۲۱ نے یہ روایت ابن حبان کی صحیح، ابن المنذر، ابن مردویہ اور ابن ابی الدنیا کی روایات سے جو کتاب التفکر میں نقل ہوئی ہیں بیان کی ہے۔ سیوطی نے سورۂ آل عمران کے اواخر کی بات کہی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ سے آخری سورہ تک گیارہ آیات نازل ہوئی تھیں۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ ۱۹۰ کا ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی نے یوں کیا ہے: "آسمان اور زمین کا بنانا، رات اور دن کا بدلتے آنا، اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو"۔

(۷) اس معمول نبوی اور سنت رسول کے لئے ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اعظم گڑھ ۱۹۸۲ء دوم ص ۲۱۲ بحوالہ سنن ابی داؤد، باب صلوٰۃ اللیل، صحیح مسلم، باب رکعتی سنۃ الفجر والحث علیہا اور مسلم وغیرہ نیز ملاحظہ ہو ترمذی، سنن، ابواب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی الاضطجاع بعد رکعتی الفجر۔

(۸) اتقان، ص ۲۰۰۔ سیوطی نے اس ضمن میں کئی روایات بیان کی ہیں جن میں تناقض پایا جاتا ہے اور علماء و محدثین کے ان مباحث و دلائل کا بھی ذکر کیا ہے جو اس تناقض کو دور کرتے ہیں یا اصولی

تنگ سے کام لے کر روایت کو دوسری پر ترجیح دیتے ہیں۔ صحیحین کی روایت میں ہے کہ مسجد قباء کے نمازی نماز فجر ادا کر رہے تھے جب کسی آنے والے نے ان کو تبدیلی قبلہ کی خبر دی اور انہوں نے نماز ہی میں اپنا قبلہ بدل لیا۔ مسلم کی ایک اور روایت میں یہ تصریح ہے کہ نمازی فجر کی ایک رکعت پڑھ چکے تھے جب بنو سلمہ کے ایک شخص نے ان کو تبدیلی قبلہ کی خبر دی
اور انہوں نے دوسری رکعت خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی
جب کہ ان سے متصادم روایت صحیحین میں حضرت براء کی ہے جس کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحویل قبلہ کے بعد پہلی نماز عصر کی پڑھی اور آپ کے ساتھ یہ نماز ادا کرنے والوں میں سے ایک نے ایک مسجد والوں (اہل مسجد) کو تحویل قبلہ کی خبر بحالت نماز دی اور اسی حالت میں انہوں نے اپنا قبلہ درست کر لیا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز ظہر و عصر کے درمیان اتری تھی۔ قاضی جلال الدین نے اسی بنا پر کہ اہل قباء نے نماز فجر ہی تحویل قبلہ پر عمل کیا تھا اور چونکہ قباء مدینہ سے بہت قریب تھا اس لئے یہ بات بعید از امکان نظر آتی ہے کہ آپ نے اس حکم الٰہی کی وضاحت کو عصر سے صبح تک موخر کیا ہو لہٰذا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ رات ہی میں کسی وقت اتری تھی۔ حافظ ابن حجر نے اس رائے کو زیادہ قوی قرار دیا ہے کہ اس حکم الٰہی کا نزول دن ہی میں ہوا تھا اور قباء والی حدیث ابن عمر کا جواب یہ ہے کہ اس حکم کی خبر اندرون شہر کے باشندوں کو یعنی بنو حارثہ کو نماز عصر کے وقت ہوئی تھی جبکہ بیرون شہر کے باشندوں یعنی اہل قباء اور بنو عمرو بن عوف کو نماز صبح کے وقت ہوئی تھی راوی کے بیان میں یہ فقرہ کہ "وہ رات میں نازل ہوئی" یہ مفہوم رکھتا ہے کہ گذشتہ دن کے کسی حصہ میں اتری تھی مگر مجازاً اس پر رات کا اطلاق کیا گیا۔ سیوطی نے اس قول ابن حجر کی تائید کرتے ہوئے ایک اور ثبوت پیش کیا ہے کہ امام نسائی نے حضرت ابو سعید بن المعلی کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر تشریف فرما دیکھا تو خیال کیا کہ کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے چنانچہ وہ بیٹھ گئے اور آپ کو یہ آیت کریمہ پڑھتے ہوئے سنا اور پھر منبر سے اتر کر آپ کو نماز ظہر پڑھتے ہوئے دیکھا۔

ان روایات کا مکمل تجزیہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی جلال الدین اور ان کے

ہم خیالوں کا نقطۂ نظر زیادہ صحیح ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم الٰہی رات ہی کو نازل ہوا تھا۔ اس کے کچھ اور دلائل اور قرائن ہیں۔ اول یہ کہ صحیحین کی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں واضح بیان ہے اگرچہ وہ راوی کا قیاس بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت کریمہ رات میں اتری تھی۔ اس کے قیاس ہونے کا امکان تو اگر یوں ہو جاتا ہے کہ راوی نے بیان کیا ہے کہ اہل قباء کو اطلاع دینے والے نے یہی بیان دیا تھا اور ظاہر ہے کہ انہوں نے کسی اہم ذریعہ سے اسے سنا ہوگا۔ دوم یہ کہ مسلم کی روایت انس نماز فجر کی دوسری رکعت میں تحویل قبلہ کی صراحت کرتی ہے جو بہت اہم ہے۔ سوم یہ کہ حضرت براء کی روایت میں اول نماز بہ سمت کعبہ پڑھنے کا ذکر راوی کے قیاس پر مبنی ہے۔ چہارم یہ کہ اس کی تردید نسائی کی روایت ابو سعید سے ہوتی ہے نیز واضح ہوتا ہے کہ آپ نے اس سے قبل نماز ظہر پڑھی تھی۔ پنجم یہ کہ حافظ ابن حجر کی تشریح کے مطابق اندرون شہر مدینہ میں بنو حارثہ کو وقت عصر کے وقت اور بیرون شہر اہل قباء کو دوسری صبح نماز فجر کے وقت اطلاع پہونچنے کا معاملہ واقعاتی شہادتوں کے خلاف جاتا ہے اور مذکورہ بالا روایات سے بھی تعارض پیدا ہوتا ہے۔ ششم یہ کہ نماز ظہر کا وقت بتانے والی روایت ابی سعید بھی راوی کے قیاس پر مبنی ہے اور اس میں روایت براء کی مانند نزول کا وقت متعین نہیں کیا گیا ہے۔ ہفتم یہ سارا معاملہ مجھ ناقص کی سمجھ میں یوں آتا ہے کہ آیت کریمہ بابت تحویل قبلہ نازل تو رات ہی کو ہوئی اور آپ نے اسی کے مطابق نماز فجر پڑھائی اور آپ کے کسی نمازی مقتدی نے اہل قباء کو یہ خبر دوڑ کر پہونچائی کہ وہ دور تھے۔ پھر نماز ظہر سے قبل آپ نے منبر نبوی سے مسجد نبوی میں اعلان عام کیا جیسا کہ آپ کا قاعدہ تھا اور اس کے بعد نماز ظہر پڑھی جس میں حضرت ابو سعید بن معلی شریک ہوئے۔ اور پہلی نماز جو حضرت براء نے آپ کے پیچھے کعبہ کی طرف منھ کر کے پڑھی وہ نماز عصر تھی اور انہوں نے اپنے قیاس سے کام لے کر اسے خانہ کعبہ کی سمت میں آپکی اولین نماز قرار دے دیا۔

نیز ملاحظہ ہو ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، قاہرہ ۱۹۵۵ء، اول ۶۰۶، ابن سعد، اول ۲۴۱-۲۴۲
اول الذکر نے کوئی روایت نہیں دی ہے جبکہ موخر الذکر نے متعدد روایات دی ہیں اور انہیں سے بعض نماز ظہر کچھ نماز عصر، دوسری نماز فجر اور ایک تو نماز شام (احدی صلاتی العشی) کا ذکر

کرتی ہیں۔ یہ بحث تفصیل کی متقاضی ہے جس کا یہاں موقع نہیں مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ راویوں کے اپنے مشاہدہ، تجربہ یا قیاس پر مبنی ہیں۔ اصل صورتِ حال نہیں ظاہر کرتیں۔ صحیح بات وہی ہے جو اوپر کہی گئی۔

(۹) اتقان، ص۲۱

(۱۰) اتقان، ص۲۲، بخاری، کتاب الصلوٰۃ

(۱۱) اتقان ص۲۱۰۔ ان میں سے ایک آیت کریمہ حضرت ابو مریم غسانی کی روایت کے مطابق جو طبرانی نے بیان کی ہے سورۂ مریم کی بعض آیات / سورہ ہے۔ بعض اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۂ شریفہ ہجرتِ مدینہ سے قبل مکہ مکرمہ میں اولین زمانے میں اتر چکی تھی جیسا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی اعظم گڑھ ۱۹۸۳ء، اول ص۲۳۰۹ بحوالہ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر۔ حضرت جعفر نے اس روایت کے مطابق دربار نجاشی میں سورۂ مریم کی آیات اس کی فرمائش پر تلاوت کی تھیں۔

(۱۲) اتقان، ص۲۱۔ نیز ملاحظہ ہو اردو ترجمہ اتقان اول ص۔۔۔ جس میں فاضل مترجم نے اتقان کی عبارت میں حضرت سودہ کے پلٹ آنے کے بعد یہ فقرہ اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے "اس وقت رسول اللہ صلعم رات کا کھانا کھا رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک ہڈی تھی" اور اس اضافہ کے علاوہ اصل متن فاوحی اللہ الیہ وان العرق فی یدہ ما وضعہ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "اسی وقت خدا نے رسول پاک پر وحی بھیجی حالانکہ ہڈی بدستور آپ کے ہاتھ میں تھی جسے آپ نے ہنوز رکھا نہیں تھا" مترجم موصوف نے بخاری و مسلم کی روایت کے الفاظ کا ترجمہ آپ کے کھانے کے سلسلہ میں اتقان کی عبارت میں شامل کر دیا ہے جو وہاں نہیں ہے۔

(۱۳) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، سورۃ الاحزاب؛ مسلم، کتاب السلام حدیث (۲۱۷۰) ۱۷۰۹/۴۔

ابن سعد، ہشتم ص۱۹۹ نے آیتِ تطہیر لیذھب عنکم الرجس اھل البیت

ویطھرکم تطھیرا کے بارے میں تصریح کی ہے کہ وہ حضرت عائشہ کے گھر (بیت) میں نازل ہوئی تھی۔ یہ روایت واقدی کی سند پر مصعب بن ثابت سے اور ان کے ذریعہ ابو الاسود سے اور ان کے واسطے سے عروہ بن زبیر سے نقل کی ہے۔ اس لحاظ سے مرفوع نہیں ہے۔

(١٤) ابن سعد، طبقات، ہشتم ص ١٠١-١٠٢

ابن سعد نے یہ طویل روایت محمد بن عمر واقدی کے واسطے سے عبداللہ بن عامر اسلمی سے اور ان کے ذریعہ محمد بن یحییٰ بن حبان سے بیان کی ہے۔ ابتداء روایت میں حضرت زید بن حارثہ کے متبنیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے، ان کے گھر آپ کے جانے، وہاں ان کو نہ پانے اور حضرت زینب سے ملاقات کرنے اور فوراً واپس ہونے اور حضرت زینب کی دعوت قیام نظر انداز کرنے، حضرت زید کے ملاقات نبوی کے لئے آنے اور پھر حضرت زید کے طلاق دینے وغیرہ کا ذکر ہے۔ اس کے بعد راوی نے حضرت عائشہ کے ساتھ آپ کی اس گفتگو کرنے کا ذکر کرکے بقیہ روایت بیان کی ہے۔

(١٥) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوہ تبوک، کتاب التفسیر، سورۃ التوبہ، مسلم، الجامع الصحیح کتاب التوبہ، باب حدیث توبۃ کعب نیز ملاحظہ ہو اتقان ص ٢٠-٢١، اردو ترجمہ اول ص ٨٢

(١٦) واقدی، کتاب المغازی، مرتبہ مارسڈن جونز، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن ١٩٦٦ء ص ١٠٤٩ نیز صفحات مابعد۔

(١٧) واقدی، کتاب المغازی، ص ١٠٠٩-١٠١٠ سے بعض اور روایات بھی اس ضمن میں نقل کی ہیں لیکن ان میں آیات توبہ کا ذکر نہیں ہے۔

(١٨) ابن کثیر، تفسیر، دوم ص ٣٨٥۔ ملاحظہ ہو، شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا شبیر احمد عثمانی، ترجمہ قرآن مجید ص ٢٦٢-٢٦٣ حاشیہ ٣، مولانا مودودی، تفہیم القرآن، دوم ص ٢٢٣۔ مولانا عثمانی نے اسے مفسرین کا قول کہا ہے اور محدثین کی طرف حضرت ابولبابہ کے واقعہ کا نقل کرنا منسوب کیا ہے۔ عجیب بات ہے کہ دونوں بزرگوں نے واقدی کی روایت تو نظر انداز کر ہی دی مگر ابن کثیر کا ذکر کردہ حضرت مجاہد کا قول بھی یکسر نظر انداز کر دیا۔ انہوں نے صرف حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر اور ان کے ساتھیوں کے غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے کا ہی ذکر کیا۔ مولانا عثمانی نے

نے حضرت ابولبابہ کے چند ساتھیوں کا ذکر کیا ہے جبکہ مودودی نے ان کے چھ ساتھیوں کا معاملہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ حافظ ابن کثیر کے ہاں جو روایت آئی ہے اس میں ان کے پانچ ساتھیوں کا ترجیحی طور سے اور دوسری روایات قیل (کہا گیا) والی میں سات اور نو کا عدد بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ان دونوں عظیم علماء مفکرین نے اپنے مفسروں اور محدثوں کا حوالہ نہیں دیا ہے ورنہ ان سے رجوع کر لیا جاتا۔ نیز ملاحظہ ہو ترمذی، جامع صحیح، ابواب تفسیر القرآن، سورۃ الاحزاب۔ اس کے مطابق آیت اس کے نزول کے بعد حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین و علی کو بلا کر ان کو چادر سے ڈھک کر اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ بھی آپ کے اہل بیت ہیں لہذا ان سے رجس دور کرا دے۔ حضرت ام سلمہ کو تو شامل اللہ نے کیا تھا۔ یہ حدیث غریب ہے۔

(۱۹) سیوطی، اتقان، ج۲، ص۲۴ ؛ ابن کثیر، تفسیر اول ص۴۳۰

(۲۰) ابن کثیر، تفسیر اول ص۳۰۰

(۲۱) ابن کثیر، تفسیر سوم ص۴۹۸

(۲۲) اتقان، ج۱، ص۲۶۔ سیوطی نے حضرت ام سلمہ کی روایت حافظ ابن مردویہ کی سند پر نقل کی ہے جبکہ حافظ ابن کثیر، تفسیر اول ص۴۴۳ نے اس آیت کی تفسیر میں اس روایت کا یا حضرت ام سلمہ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

(۲۳) ابن سعد، ہشتم، ص۱۰۴-۱۰۳ نے آیت حجاب سے متعلق کم از کم چھ روایات نقل کی ہیں

(۱) اول سعید بن منصور نے محمد بن عیسیٰ عبدی سے اور انہوں نے ثابت بنانی سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالک سے روایت کی ہے اور یہی روایت اوپر متن میں بیان کی گئی۔

(۲) عمرو بن عاصم نے سلیمان بن مغیرہ سے اور انہوں نے ثابت سے اور انہوں نے حضرت سے نقل کیا ہے۔ اس میں ایک فرق یہ ہے کہ کھانے میں گوشت روٹی تھی۔ کھانا صبح کھایا گیا اور دن چڑھے تک لوگ گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

(۳) سلیمان بن حرب نے حماد بن زید سے اور انہوں نے ایوب سے اور انہوں نے ابو قلابہ سے اور موخر الذکر نے حضرت انس سے سنی تھی۔ اس میں ایک اہم فرق یہ ہے کہ آپ

گھر کے باہر جاتے اور اندر آتے رہے مگر لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے چنانچہ آیت نازل ہوئی (مختصراً)

(۴) فضل بن دکین نے عیسیٰ بن طہمان سے اور انہوں نے حضرت انسؓ سے سن کر نقل کیا اس میں دوسری ازواج پر حضرت زینب کے فخر کا حوالہ ہے۔

(۵) محمد بن عبداللہ انصاری نے حمید سے اور انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت بیان کی۔ ایک اہم ذکر یہ ہے کہ شب زفاف کی صبح آپ اپنی ازواج مطہرات کے حجروں کی طرف جا جا کر سلام کیا کرتے اور خیر و خبر لیا کرتے تھے۔ اس میں دو آدمیوں کے بیٹھے رہنے کا ذکر ہے

(۶) یعقوب بن ابراہیم زہری نے اپنے والد سے اور انہوں نے صالح بن کیسان سے اور انہوں نے ابن شہاب سے اور انہوں نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے دن چڑھے کے بعد (ارتفاع النہار) لوگوں کو کھانے کے لئے بلایا۔ آپ کے پاس کچھ لوگ (رجال) بیٹھے رہے۔ آپ اٹھ کر حضرت عائشہ کے حجرے تک گئے، واپس آئے تو ان کو بیٹھا دیکھ کر پھر باہر چلے گئے اور حجرۂ عائشہ تک پہونچے پھر آپ واپس آئے تو وہ جا چکے تھے۔

نیز ملاحظہ ہو: مسعود احمد، صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین، نئی دہلی ص ۳۰۲-۳۰۳ نے بخاری، مسلم کی روایات کی بنا پر کہا ہے کہ "آپ مکان کے اندر داخل ہو رہے تھے۔ آپ کا ایک پیر باہر کہ آپ پر پردہ کی آیت نازل ہوئی۔۔"

(۲۴) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، سورۃ الاحزاب میں چار احادیث بیان ہوئی ہیں۔ صرف چوتھی میں دو آدمیوں کے بیٹھے رہنے کا ذکر ہے۔ جبکہ بقیہ میں تین کا ہے۔ اسی روایت کے بعض ٹکڑے کتاب الاستئذان، باب من قام من مجلسہ او بیتہ، کتاب الاطعمۃ باب قول اللہ تعالیٰ: فاذا طعمتم فانتشروا اور کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء میں نقل کئے ہیں۔

مسلم نے کتاب النکاح سے، باب فضیلۃ اعتاقہ الامۃ اور باب زواج زینب بنت جحش میں متعدد احادیث نقل کی ہیں نیز ملاحظہ ہو: ترمذی ابواب تفسیر القرآن، سورۃ الحجرات جہاں یہ حدیث مختصراً حضرت انسؓ کی سند پر مذکور ہوئی ہے مگر اس میں حضرت زینب کا اسم گرامی نہیں ہے البتہ دو آدمیوں کے بیٹھے رہنے کا حوالہ ضرور ہے۔

(۲۵) ابن کثیر، تفسیر، جلد سوم ص۴۹۰

ابن کثیر نے ایک دلچسپ بحث اور اختلاف رائے کی طرف اس سوال میں اشارہ کیا ہے کہ آیات حجاب کب نازل ہوئی تھیں؟ ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ ان آیات کا نزول حضرت زینب بنت جحش سے شادی و شب زفاف کی صبح (ولیمہ عرس) ہوا تھا اور یہ واقعہ ذوالقعدہ ۵ھ کا ہے۔ یہ قتادہ اور واقدی کا قول ہے اور بعض دوسروں (وغیرهما) کا بھی ہے۔ جبکہ ابوعبیدہ معمر بن مثنی اور خلیفہ بن خیاط کا گمان (زعم) ہے کہ یہ ۳ھ کا واقعہ ہے واللہ اعلم۔ ابن کثیر کے طریقہ نقل اور طریق تنقید سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اول الذکر قول کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ انہوں نے دوسرے قول کو (زعم) کے لفظ سے بیان کیا ہے جو اہل علم کے نزدیک قول و روایت کے کمزور و مرجوح ہونے کی علامت ہے۔ بیشتر سیرت نگار اور مورخین۔ قدیم و جدید دونوں۔ اول الذکر قول ہی کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، ہشتم ص۱۱۲ اور سیرت نبوی اور تفسیر کی متداول کتابیں۔

(۲۶) ابن سعد، ہشتم ص۶۶۔ اور ص۷۹ کا بیان ہے کہ آپ حضرت عائشہ کے پاس سب سے پہلے پہونچے تھے اور ان کو تخییر کی آیات سنائی تھیں۔ حدیث کی روایات میں یہ تفصیلات زیادہ ہیں ملاحظہ ہوں: بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المظالم، باب الغرفة، کتاب النکاح، باب موعظة الرجل بنته، و باب هجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم نساءه، کتاب اللباس وغیرہ۔

مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب بیان ان تخییر امراته الخ، باب الایلاء

ابن کثیر، تفسیر سوم ص۴۸۰ نے متعدد روایات کے علاوہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ آیت تخییر کے نزول کے وقت آپ کی نو ازواج مطہرات تھیں اور ان کے نام گنائے ہیں۔ عام روایات کے مطابق یہ ۹ھ کا واقعہ ہے۔

مسعود احمد، تاریخ الاسلام والمسلمین، ص۲۹۹ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ آیات حضرت عائشہ کے گھر میں نازل ہوئی تھیں۔ مگر وہ اسے عام و مشہور روایت کے برخلاف ۵ھ کا واقعہ قرار دیتے ہیں۔

(۲۷) ابن سعد، ہشتم ص۵۳۔ اور ص۹۵ کا بیان ہے کہ حضرت سودہ نے جب اپنی باری حضرت

عائشہ کو دے دی تو اس کے بعد سورۂ نساء کی آیت کریمہ ۱۲۸ نازل ہوئی: وان امرأۃ خافت من بعلہا نشوزا او اعراضا الخ (اور اگر ایک عورت ڈرے، اپنے خاوند کے لڑنے سے، یا جی پھر جانے سے تو گناہ نہیں دونوں پر کہ کر لیں آپس میں کچھ صلح...) ابن کثیر تفسیر اول ص ۵۶۲-۶۳ نے متعدد روایات و احادیث نقل کی ہیں۔ ان میں حضرت عائشہ کو باری دینے کے واقعہ کے اسباب و عوامل کے علاوہ بعض فقہی آرا اقوال بھی مذکور ہیں

(۲۸) ابن کثیر تفسیر چہارم ص ۳۸۶-۹۱ نیز صحاح کی متعدد کتابیں اور ان کی روایات جن کا بعد میں مفصل ذکر آئے گا۔

مفسرین نے آیت تحریم کے سلسلے میں دو مکاتب فکر کی آرا نقل کی ہیں اول: یہ کہ آپ نے حضرت ماریہ قبطیہ کے ساتھ حضرت حفصہ کے گھر میں ان کی باری کے دن یا دن کے بستر پر وظیفۂ زوجیت ادا کیا جس پر حضرت حفصہ کو غصہ آ گیا اور آپ نے ان کی خوشنودی کے لئے حضرت ماریہ کو حرام کر لیا۔ ابن کثیر کے بقول اس روایت کو صحاح ستہ میں سے کسی نے قبول نہیں کیا ہے۔

دوم جو صحاح میں پائی جاتی ہے یہ ہے کہ آپ نے ایک زوجۂ مطہرہ کے گھر شہد پی لیا اور دوسری بعض ازواج مطہرات کی سوکنانہ تعریض پر شہد حرام کر لیا یا فرمایا کہ اب نہ پیوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲۹) مذکورہ بالا تمام آیات کے لئے ان کے متعلق حوالے ملاحظہ ہوں۔ حضرت خولہ کے نفس ہبہ کرنے کے لئے ملاحظہ ہو: بخاری الجامع الصحیح کتاب النکاح باب ہل للمرأۃ ان تہب نفسہا، کتاب التفسیر سورۃ الاحزاب ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۹

دوسری قسط

مسلمانوں کی تعلیمی تحریکات

پروفیسر خورشید احمد

دیو بند کی تعلیمی تحریک مقابلے اور مقاومت کے رجحان کی نمائندہ ہے جبکہ اس کے بالمقابل "علی گڑھ کی تعلیمی تحریک" مصالحت و مفاہمت کی مظہر ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ میں ناکامی کے بعد مسلمانوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ انگریز ان کے پرانے تعلیمی نظام کو مٹانے کے درپے ہیں۔ دوسری طرف عیسائی مشنری تعلیمی ادارے بڑی تیزی کے ساتھ تعلیم کے پردے میں عیسائیت کا پرچار کر رہے ہیں اور شکر چڑھی ہوئی گولیوں کے ذریعے مسلمانوں کی دینی بنیادوں کو مجروح کر رہے ہیں۔ جو نیا تعلیمی نظام قائم کیا گیا تھا اور جسے تیزی کے ساتھ فروغ دیا جا رہا تھا، وہ مذہبی تعلیم اور دینی روح سے یکسر عاری تھا اور ہندوستان کی نئی نسلوں کو لادینیت اور مغربیت کے رنگ میں رنگ رہا تھا۔

پھر یہ بات بھی واضح ہو گئی تھی کہ اس نئی تعلیم سے ہندو بڑھ چڑھ کر فائدہ اٹھا رہا ہے اور من حیث القوم انگریزوں کا منظور نظر بن کر اپنی ساڑھے سات سو سالہ اقتدار سے محرومی کا حساب چکانا چاہ رہا ہے۔ اسی زمانے میں ہندوؤں کی اصلاحی تحریکات ابھریں اور انہوں نے ہندوؤں میں یہ جذبہ پیدا کیا کہ وہ بھی مسلمانوں پر ایک بالا قوم کی حیثیت سے غالب ہو سکتے ہیں۔

"آریہ سماجی تحریک" نے کھل کر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے کیے اور ہندوستان کی تاریخ میں غالباً پہلی مرتبہ ہندوؤں نے "شدھی" کی تحریک چلائی۔ اس زمانے میں ہندو مسلم مخالفت، بلکہ منافرت کا بیج بو گیا اور یہ بات بڑی حد تک واضح ہو گئی کہ ان دونوں قوموں کو جداگانہ طور پر اپنی سیاسی قسمت بنانا ہو گی۔

مسلمانوں کے بارے میں انگریزوں کی پالیسی ظالمانہ اور منتقمانہ تھی۔ وہ صرف ان کے نظام تعلیم ہی کو ختم نہیں کر رہے تھے، بلکہ پورے تہذیب وتمدن کو مٹا دینا چاہتے تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی حیثیت سے مسلمانوں کی کمر توڑ کر رکھ دیں۔ روزگار کے تمام دروازے مسلمانوں کے لئے بند کر دیئے گئے تھے۔ ان کے پرانے نظام تعلیم کا ہر ربط نئے انتظامی اور معاشرتی نظام سے منقطع کر دیا گیا تھا اور روزگار کی کنجیاں نئی تعلیم کو دے دی گئی تھیں۔ ان حالات میں ایک راستہ تو ان لوگوں نے نکالا جنہوں نے ناساعد سے ناساعد حالات میں بھی اپنے ماضی کے نظام سے رشتہ کاٹنا گوارہ نہ کیا لیکن کچھ دوسرے حضرات نے صورت حال پر اس نقطہ نظر سے غور کیا کہ "مسلمان اپنے آپ کو انگریزوں سے لڑ کر نہیں بلکہ ان سے مفاہمت کر کے بچا سکتے ہیں"۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے۔

"چونکہ مسلمانوں کو ایک نہیں دو دشمنوں سے نمٹنا ہے۔ اسلئے یہ لڑائی بیک وقت نہیں لڑی جا سکتی، نیز ۱۸۵۷ کے معرکہ کے بعد مسلمانوں میں یہ دم خم بھی نہیں رہا ہے کہ وہ اس وقت کی باقی ماندہ قوت کے بل پر آنے والی طویل مدت تک کوئی لڑائی لڑ سکیں۔ بلکہ ان حالات میں لڑائی کے طرز پر سوچنا مسلمانوں کے لئے شدید خطرات کا حامل ہے۔ ان کے لئے سیدھا راستہ بس یہ ہے کہ وہ انگریزوں سے وفاداری کا تعلق قائم کریں، انگریزی تعلیم حاصل کریں اور ملازمتوں

میں اپنے لیے گنجائش پیدا کریں۔ نئے حالات میں وہ اپنے آپ کو بدلے بغیر چل نہیں سکے گا۔

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی ؎

اس نئے رجحان کے سب سے بڑے علم بردار سر سید احمد خان تھے۔ سید کا تعلق بالائی متوسط طبقہ سے تھا، انہوں نے اپنی ساری عمر برطانیہ کی ملازمت میں گذاری، لیکن اس زمانے میں بھی وہ بڑے خلوص اور ہمدردانہ جذبے کے ساتھ مسلمانوں کے مسائل پر غور کرتے رہے۔ وہ اپنے نقطۂ نظر کو جو خواہ کتنے ہی دبے الفاظ اور خوشامدانہ انداز میں کیوں نہ تھا، پیش کرتے ہیں۔ ان کی ایک کتاب "اسباب بغاوت ہند" نے خاصا نام پیدا کیا اور دوسری کتاب "وفادار ہندوستانی مسلمان" زیادہ مقبولیت حاصل نہ کر سکی۔ سیاسی حیثیت سے سر سید احمد خان اس بات کے قائل تھے کہ "مسلمانوں کو انگریزوں کے ساتھ کامل وفاداری کی روش اختیار کرنا چاہئے اور جہاد و مقابلے کا ہر تصور ختم کر دینا چاہئے"۔ مسلمانوں کی ترقی کا راز وہ صرف نئی تعلیم ہی میں نہیں، نئی تہذیب کے قبول کرنے میں مضمر پاتے تھے۔ اس سے بڑھ کر دونوں کاموں کو انجام دینے کے لئے وہ ضروری سمجھتے تھے کہ معاشرتی اور مذہبی میدانوں میں بھی بنیادی تبدیلیاں ضروری ہیں۔ اسلام اور اسلامی عقائد و معاملات کی انہوں نے ایک نئی تعبیر کی داغ بیل ڈالی، جو ایک نئی معتزلہ تحریک کے مترادف تھی اور جس میں انہوں نے کوشش کی کہ اسلام کی ان تمام تعلیمات کو جو مغربی تہذیب سے متصادم ہیں تاویل کی چرخا کر اس سے ہم آہنگ کر دیں اور معاشرت میں بھی مسلمان مغربی طور طریقوں کو اس درجہ اختیار کریں کہ انگریزوں کے ساتھ ان کے طریقے پر زندگی گذار سکیں۔ ان کے ذہن کا اندازہ ان کی اس تحریر سے کیا جا سکتا ہے جو ان کی مقبول میں سے ایک ہے۔

"ترکوں کا تمام لباس بجز ٹوپیوں کے بالکل یورپین ہے، سب سے

زمین پر بیٹھنا بالکل چھوڑ دیا ہے، میز کرسی پر بیٹھتے ہیں، چھری کانٹے سے کھاتے ہیں۔ ان کے مکان کی آراستگی و طریقہ بالکل یورپینوں جیسا ہے، جب ترک اپنی ہمسایہ قوموں فرنچ اور انگریزوں میں مل کر بیٹھتے ہیں تو ہم جول معلوم ہوتے ہیں امید ہے کہ روز بروز مہذب ہوتے جائیں گے۔ پس ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی ہم یہی چاہتے ہیں کہ اپنے تعصبات اور خیالات خام کو چھوڑ دیں اور تربیت و شائستگی میں قدم بڑھائیں۔"

اور یہ اس "تربیت اور شائستگی" کی طرف پیش قدمی تھی کہ عیسائیوں کے ذبیحہ کو جائز قرار دیا، کھڑے ہو کر پیشاب کرنے اور ڈاڑھی منڈانے کا جواز فراہم کیا۔ حتی کہ بائیبل کو غیر تحریف شدہ تک ثابت کرنے کی کوشش کی۔

ہمارے پیش نظر اس مضمون میں سرسید احمد خان کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینا نہیں، بلکہ یہاں یہ باتیں صرف اس لئے بیان کر رہے ہیں کہ وہ ذہن سامنے آسکے، جو اس نئی تحریک کی پشت پر کام کر رہا تھا۔

تعلیم سے سرسید احمد خان کی دلچسپی دیرینہ تھی۔ انہوں نے اپنی ملازمت کے زمانے میں غازی آباد میں ایک اسکول قائم کرنے کی کوشش کی پھر اس طرح بنارس میں انہوں نے اپنی تعلیمی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ ان کی خواہش تھی کہ کسی ایک جگہ کو مرکز بنا کر مسلمانوں کی تعلیم کا ایک بڑا ادارہ قائم کریں۔ اس کے لئے انہوں نے بالآخر علی گڑھ کو منتخب کیا۔ جہاں حکومت نے پرانے کنٹونمنٹ ایریا میں ایک زمین پٹے پر دے دی۔ یہاں ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو یہ مدرسہ قائم کیا گیا۔

سرسید نے انگریزوں کے تعلیمی نظام کو قبول تو ضرور کیا۔ لیکن نظری طور پر اس کی چند خامیاں بھی بیان کیں جن میں قابل ذکر یہ ہیں۔

الف۔ یہ مسلمانوں کی مخصوص ضروریات کو پورا نہیں کرتا۔

ب۔ ناظم تعلیمات کی گرفت بہت سخت اور اس کا رویہ آمرانہ ہے۔

ج۔ تعلیم کا نظام ہندوستانیوں کے لئے مشکل ہے۔

د۔ تعلیمی کتب میں ایسا مواد بھی ہے جو اسلام کے خلاف ہے۔

یہ تھی سرسید کی تنقید انگریزوں کے نظام تعلیم پر۔ اب ہم یہ دیکھیں گے کہ خود سرسید نے علی گڑھ میں جس نظام کا آغاز کیا اس کی کیا خصوصیات تھیں۔

۱ ـــــ علی گڑھ انگریزوں کے تعلیمی نظام اور اس کے رخ کو قبول کر کے اس کے اندر مسلمانوں کی تعلیم کے لئے گنجائش پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ یہاں یہ کوشش نہیں کی گئی کہ مسلمانوں کی ضرورت کے مطابق نیا تعلیمی نظام تیار کیا جائے، بلکہ یہ سوچا گیا کہ انگریزوں کے بنائے ہوئے تعلیمی نظام میں مسلمانوں کے لئے پاؤں ٹکانے کی جگہ فراہم کر لی جائے۔ یہ چیز علی گڑھ کے مزاج کا ایک جزو بن گئی اور علی گڑھ نے جو نیا ذہن تیار کیا وہ اتباع اور مصالحت کے انہی رجحانات کا آئینہ دار ہے۔ اس میں ایک طرف مغربی تعلیم کو من و عن لے لیا گیا اور اس تعلیم کے مزاج کو بھی اختیار کیا گیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں مسلمانیت کا اضافہ کرنے کے لئے دینیات کا ایک پیریڈ رکھا گیا اور ہوسٹل میں نماز روزے اور دوسرے شعائر اسلامی کے لئے سہولتیں دی گئیں۔ متضاد عناصر کے اس اجتماع کو خود اس ادارہ کا اولین نام بالکل صحیح طور پر پیش کرتا ہے۔ یعنی
ANGLO MOHAMMADAN ORIENTAL COLLEGE

۲ ـــــ یہ کالج رہائشی بنیادوں پر قائم کیا گیا تھا اور اس حیثیت سے اس کا یہ اثر ہوا کہ اپنے طلبہ کا ایک مخصوص مزاج بنا سکا۔

۲ ـــــ یہ تعلیمی ادارہ مسلمانوں میں عام تعلیم UNIVERSAL EDUCATION پھیلانے کے لئے نہیں، بلکہ متمول طبقہ کے بچوں کی تعلیم کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ تعلیم کے لئے فیس کا طریقہ رائج کیا گیا اور رہائشی

ہونے کی وجہ سے صرف وہی لوگ اپنے بچوں کو بھیج سکتے تھے جو تعلیمی مصارف کا گراں بار اٹھا سکتے تھے۔ گویا FILTER RATION THEORY کا یہ MUSLIM VERSION تھا۔ اس حیثیت سے یہ مسلمانوں کے اب تک کے نظام تعلیم سے ایک اہم انحراف بھی تھا۔

۳ ــــــ اس ادارے میں اس بات کی کوشش بھی کی گئی کہ انگریز پرنسپل اور انگریز اساتذہ رکھے جائیں، جس کا اصل مقصد تو شاید انگریزوں کو اپنی وفاداری اور غیر مضرت رسانی کا ثبوت دینا تھا۔ لیکن عملاً اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز اساتذہ کی گرفت کالج پر مضبوط ہوتی گئی اور مغربیت کی رو طلبہ میں تیزی سے سرایت کرتی چلی گئی۔

سرسید کی بڑی خواہش تھی کہ اس ادارے کو ایک یونیورسٹی بنائیں، لیکن اپنی زندگی میں وہ یہ کام نہ کر سکے۔ ان کی وفات کے وقت کالج مالی بحران سے دوچار تھا۔ ۰۰ ہزار کا قرض تھا، طلبہ کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی اور کشتی ہچکولے کھاتی نظر آتی تھی۔ لیکن نواب محسن الملک مرحوم، نواب مہدی علی خان مرحوم نے ادارے کو بڑی قربانیوں اور جانفشانیوں سے چلایا اور اس میں دوبارہ زندگی کی نئی روح پھونک دی۔ اس کے بعد نواب وقار الملک مرحوم نے باگ ڈور سنبھالی اور بالآخر ۱۹۲۱ء میں علی گڑھ کالج مسلم یونیورسٹی میں تبدیل ہوا۔ علی گڑھ کی داستان میں پاک و ہند کے مسلمانوں کی سو سالہ تاریخ کا عکس نظر آتا ہے۔ اس ایک ادارے نے جو کچھ کیا اسے بلاشبہ اپنے مقاصد میں انقلاب ہی کہا جا سکتا ہے۔

یہ ادارہ ایک تعلیمی تحریک کا نقیب ثابت ہوا اور اس کے زیر اثر انہی خطوط پر مسلمانوں کے تعلیمی ادارے قائم ہوئے۔ علی گڑھ نے ادبی، معاشرتی اور معاشی اور سیاسی زندگی پر نہایت اہم اثرات ڈالے۔

ہم اب علی گڑھ کے تاریخی رول کا ایک تنقیدی جائزہ پیش کریں گے۔

۱ ــــــ اگر مسلمانوں کو ایک اصولی جماعت کی حیثیت سے

نہیں بلکہ محض ایک قوم کی حیثیت سے لیا جائے تو علی گڑھ ان کے جدید دور کا سب سے بڑا محسن ہے۔ سرسید احمد خان نے مسلمانوں کو اس ہاری فوج کی مانند سمجھا جس کے لئے سب سے صحیح حکمت عملی محض اس کو بچا لینا ہے، خواہ اس کو بچانے کے لئے عزت وغیرت کی کتنی بڑی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ اس حیثیت سے علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں کے تعلقات انگریزوں سے استوار کرائے، بے اعتمادی کی فضا دور کی، انگریزوں کی غلط فہمیاں دور کیں۔ کچھ سیاسی رشوت دی، کچھ دم خم مسلمانوں کے ختم کیے۔ ان میں تسلیم کی خو ڈالی اور اس طرح جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، کم از کم تھوڑی دور تک ہی ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلنے لگے۔

۲ ــــــ معاشی حیثیت سے مسلمانوں کے لئے ملازمتوں کے حصول اور روزگار کے ترقی کے دروازے بالکل بند ہو گئے تھے وہ اس نئی تعلیم کی وجہ سے پھر ایک حد تک کھل گئے اور اس نے مسلمانوں کو دوبارہ قدم جمانے کا موقع دیا۔

۳ ــــــ علی گڑھ ایک نئی ادبی تحریک کا بانی ہے۔ جس کی سب سے بڑی خصوصیت آسان اور عام فہم اسلوب بیان ہے۔ اردو ادب اور صحافت کا نیا آہنگ بڑی حد تک علی گڑھ کا مرہون منت ہے۔ اور یہ اس کی عظیم ترین خدمات میں سے ایک ہے۔

۴ ــــــ علی گڑھ نے بیسویں صدی میں اور خصوصیت سے پہلی جنگ عظیم کے بعد سے ایک نیا سیاسی کردار بھی ادا کیا۔ اور وہ یہ تھا کہ علی گڑھ اس کے قائم کرنے والوں اور چلانے والوں کی خواہشات کے علی الرغم مسلمانوں کی نئی سیاسی بیداری کا مرکز بن گیا۔ اس کا سب سے دلچسپ تاریخی پہلو یہ ہے کہ آخری دور میں مسلم قومیت اور دو قومی نظریہ کی تحریک کا گہوارہ علی گڑھ ہی بنا۔ اس طرح جو ادارہ انگریزوں سے قرب و مفاہمت کے جذبے سے قائم ہوا تھا وہی انگریزی

اقتدار پر آخری ضرب لگانے کا ذریعہ بنا۔

۵ ________ مسلمانوں کی گزشتہ ۱۰۰ سال کی ذہنی قیادت بڑی حد تک علی گڑھ ہی نے فراہم کی۔

یہ ہیں وہ چیزیں جو علی گڑھ کے تاریخی کارنامہ کو ظاہر کرتی ہیں۔
اب ہم تصویر کے دوسرے رخ پر نگاہ ڈالیں گے۔

الف ________ علی گڑھ کے قیام اور اس کے ارتقاء میں تخلیقی فکر کے مقابلے میں تقلیدی فکر نمایاں نظر آتی ہے۔ بجائے اس کے کہ مسلمانوں کے دین اور دنیا کی مخصوص ثقافت کی روشنی میں کوئی تعلیمی لائحہ عمل تیار کیا جاتا ہندوؤں سے مسابقت کے جذبے کے تحت ایک ایسی آسان اور چپٹی ہوئی راہ اختیار کی گئی، جس کا نہ تو کوئی تعلق مسلمانوں کی تعلیمی روایت سے تھا اور نہ وہ ان کی تاریخ کے مخصوص تقاضوں کو پورا کرتی تھی۔ علی گڑھ نے انگریزی ہی کیلئے نہیں، مغربی تمدن و تہذیب کے دروازے بھی اپنے لئے چوپٹ کھول دیئے اور مسلمانوں کو اپنی تاریخ کے شدید ترین ذہنی اور تمدنی بحران سے دوچار ہونا پڑا اور اکبر الہ آبادی کی زبان سے بے ساختہ نکل پڑا۔

ابتدا کی جناب سید نے — جن کے کالج کا اتنا نام ہوا
انتہا یونیورسٹی پر ہوئی — قوم کا کام اب تمام ہوا

ب ________ علی گڑھ نے دو متضاد عناصر کو ایک ساتھ جمع کرنے کی کوشش کی یعنی مغربی تہذیب اور اسلام۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ مغربی تہذیب میں ہی مسلمانوں کو مہارت حاصل ہوئی اور نہ اسلام ہی پورے طور پر ان کو حاصل ہوا۔ اور قوم میں وہ سب سے بڑا روگ پیدا ہوا، جسے ہم تضاد اور تناقص سے تعبیر کر سکتے ہیں یا یہ بیک وقت دو متضاد سمتوں میں جانے والی کشتیوں میں سواری کرنے کے مترادف تھا اور اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم — نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

ج ________ علی گڑھ نے دینیات کے ایک پیریڈ کو اسلامی تعلیم کے مترادف قرار دے کر اسلامی تصور تعلیم کی جامعیت کو ختم کر دیا۔ پھر تعلیم کو ایک شے تجارت مان کر مسلمانوں کی تمام روایات کو مجروح کیا، نیز تعلیم کو اعلیٰ طبقہ تک محدود کر کے مسلمانوں کے اس مخصوص کارنامے کو بھی ملیا میٹ کیا، جو تعلیم کے باب میں ان کا بے نظیر کارنامہ تھا یعنی عام تعلیم UNIVERSAL EDUCATION اس طرح علی گڑھ سے تعلیم کا جو نیا تصور یا نئی روایات ابھری وہ مسلمانوں کے لئے بالکل اجنبی تھی۔ یہ روایت مسلمانوں پر مسلط تو ہو گئی لیکن مسلمانوں کے مزاج نے آج تک اسے قبول نہیں کیا ہے۔ اور اسی نے اس کشمکش کو جنم دیا ہے، جو آج ہمارے نظام تعلیم کی روح کو کھائے جا رہی ہے۔

د ________ علی گڑھ نے بظاہر تو اسلام کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا لیکن اپنی روح اور اپنے پروگرام کے اعتبار سے مادیت اور دنیا پرستی کو اس نے اپنا اصل مقصود ضرور بنایا۔ تعلیم کا پورا نظام اس طرح تشکیل پایا کہ طالب علم اسلام کے مزاج اور زندگی کی اصل قدروں سے یک سر بیگانہ ہو گئے، ان کا واحد نصب العین دنیا کا حصول، معاشی مسابقت میں اپنے لئے ایک مقام کی تلاش اور زیادہ الفاظ میں سرکاری چاکری ہو گیا علی گڑھ کے اس مزاج کا اظہار اس تقریر میں بھی ہوتا ہے، جو سید محمود نے ندوۃ العلوم میں کی تھی اور جس میں کہا تھا کہ:

> "ہمارے دو کام ہیں: دین و دنیا۔ ہم نے دنیا کی ترقی کا کام اپنے ذمہ لیا ہے اور ندوہ دین کا کام دے رہا ہے۔ اس لئے ہمیں اس کے مقصد سے پورا اتفاق ہے۔"

تعجب ہے کہ انھیں یہ خیال بھی نہ آیا کہ اسلام دین و دنیا کی ایسی نمائندگی

کا قائل نہیں ہے۔ جس میں ایک گروہ دین کا اجارہ دار بن بیٹھے اور دوسرا دنیا کا۔ اسلام تو دونوں کے امتزاج کا قائل ہے۔

علی گڑھ کا ایک بڑا ہی اہم پہلو سرکاری ملازمت کو منتہائے مقصود بنانا ہے۔ یہ چیز بڑے دوررس نتائج کی حامل ثابت ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنی تاریخ میں ہمیشہ تجارت، زراعت اور حرفت کو بنیادی اہمیت دی اور اس طرح ایک آزاد معاشی پوزیشن ان کو حاصل رہی۔ ہندوستان کے لئے نئے حالات میں مسلمانوں کے معاشی استحکام کے لیے انہی راہوں پر ان کی ترقی ضروری تھی۔ لیکن علی گڑھ نے مسلمانوں کی تمام توجہات کو سرکاری ملازمت پر مرکوز کر دیا۔ گویا لارڈ میکالے کے دل کی آرزو بر آئی۔ انگریز یہ چاہتا تھا کہ مسلمان معاش کے آزاد ذرائع سے کٹ کر ان کی ملازمتوں کا محتاج ہو جائے اور علی گڑھ نے مسلمانوں میں یہی ذہن پیدا کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ عام مسلمان کلرکی کے پیچھے اور ان کا ذہین ترین طبقہ ڈپٹی کلکٹری کے پیچھے مارا مارا پھرتا تھا اور اس سے اونچا کوئی مقام ان کے تصور میں نہ آتا تھا۔ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ اس کا تجربہ خود سر سید مرحوم کو بھی ہوا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے صاحبزادے قوم کی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کر دیں، لیکن صاحبزادے کی نگاہیں سرکار کی ملازمت پر تھیں۔

اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ مسلمان ہندوستان میں انگریز کی معاشی گرفت سے اپنے کو آزاد نہ کر سکے۔ اور ملک میں بعد میں جو بھی معاشی ترقی ہوئی، وہ بڑی حد تک ہندوؤں کے ہاتھوں ہوئی۔

د ——— علی گڑھ نے جو علمی معیار قائم کیا، وہ بھی سطحی اور پست تھا۔ چند استثنائی مثالوں کو چھوڑ کر بنیادی فکر یہ رہی کہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو ڈگریاں دے دی جائیں۔ خواہ یہ کام کتنے ہی خلوص سے کیا گیا ہو اور خواہ اس کے پیچھے مسلمانوں کی ہمدردی کا کیسا ہی جذبہ کیوں نہ کار فرما رہا ہو مگر اس کا

نتیجہ

نتیجہ علم کی موت تھا۔ شروع میں سر سید مرحوم کے ذہن میں ضرور تھا کہ علی گڑھ ایک علمی مرکز بنے اور انہوں نے اپنے طور پر یہ کام انجام بھی دیا۔ لیکن چونکہ دینی علوم پر خود ان کی نگاہ زیادہ گہری نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیں۔ جب سے نئے علم الکلام کا انہوں نے آغاز کیا، اس نے مغرب کی قدروں کو اسلام میں تلاش کرنے اور مغربی افکار کو اسلامی اصطلاحات میں بیان کرنے کی آسان راہ کھول دی۔ اب تحقیق اور کاوش کی زیادہ ضرورت نہ رہی۔ جو علمی معیار سر سید نے باقی رکھا تھا، علی گڑھ کی اپنی پیداوار تو اس کی کم سے کم حدوں کو بھی نہ چھو سکی۔ شاید اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ تقسیم ملک تک علی گڑھ کے اساتذہ اور طلبہ نے شاید کوئی ایک بھی درجہ اول کی علمی اور تحقیقی کتاب پیش کی ہو۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی مرحوم نے اپنی خود نوشت "آشفتہ بیانی میری" میں اس اعتراض کا جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن بڑی جستجو کے بعد علی گڑھ کے لوگوں کی تصنیفات و تالیفات کی جو فہرست وہ پیش کر سکے ہیں، اس میں علی گڑھ کے اپنے تیار کردہ افراد کی کوئی ایسی کتاب نہیں ملتی جس کا علمی سکہ مانا جاتا ہو۔ ادب اور اسلوب بیان کے میدان میں تو علی گڑھ کا قابل قدر کارنامہ ضرور موجود ہے لیکن علم و تحقیق کا صفحہ سادہ ہے۔ اس کا نقصان صرف یہی نہیں ہوا کہ مسلمانوں میں تحقیقی روایات باقی نہ رہ سکیں، بلکہ علی گڑھ تحریک کے زیر اثر تعلیم پانے والوں پر اس کا عام اثر ان کی ذہنی سطح پست ہونے کی صورت میں رونما ہوا۔ صحافیانہ علم کو علم کی معراج سمجھا جانے لگا اور کتابی تبصرے پڑھ کر علمی مباحثوں میں اظہار رائے کا چلن عام ہو گیا۔ مسلمانوں میں سہل انگاری پیدا ہوئی اور کامیابی کے لئے شارٹ کٹس نکالنا عام ہو گیا۔
اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ وقت کی قدر و قیمت کا احساس کمزور سے کمزور تر ہونے لگا اور ثقافتی زندگی کا رنگ بھی بدل گیا اور بقول شیخ محمد اکرام

" اساتذہ کا وقت عزیز ڈرائنگ روم کی تزئین، خوش معاشی،

ضیافت بازی، کلب بازی، گپ بازی اور بال پارٹی بازی کی نذر ہونے لگا۔"

اور یہ سب کچھ اس تقلیدی رجحان کا فطری نتیجہ تھا، جو علی گڑھ نے اختیار کیا تھا۔ اندھی تقلید جہاں ہو، تخلیقی صلاحیت کے سرچشموں کو خشک کر دیتی ہے اور فکر و نظر پر آکاس بیل کی طرح چھا جاتی ہے۔

ذ ——— علی گڑھ کی پوری تاریخ اور اس کے تیار کردہ ذہن کے مطالعے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ علی گڑھ کے لوگوں میں علی گڑھ سے محبت پائی جاتی ہے اور دوسروں کے مقابلے میں علی گڑھ برادری کا خاصہ گہرا احساس ان میں موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی تعلیمی تاریخ میں اساتذہ اور طلبہ دونوں جانب سے علم کی بارگاہ میں خلوص و ایثار اور قربانی کی جو نذر پیش کی جاتی رہی ہے، اس کی نظیر میں علی گڑھ میں بس خال خال ہی ملتی ہیں۔ اس کی وجہ اعلیٰ مقاصد سے تعلیم کو کاٹ دینا اور سب سے بڑھ کر تعلیم اور کردار سازی کے رشتے کو منقطع کر دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علی گڑھ پر ایک لمبا دور ذہنی بزدلی کا گزرا ہے اور ملک کی قومی زندگی میں علی گڑھ کے لوگوں نے شرکت کرنے اور مسلمانوں کی قسمت از سر نو تعمیر کرنے سے احتراز کیا ہے، بلکہ ایسی افسوس ناک مثالیں بھی ملتی ہیں کہ جب محسن الملک نے اردو تحریک کے سلسلے میں حکومت کے رویہ کے خلاف ایک پر زور تقریر کی، اور علی گڑھ کے لئے سرکاری امداد خطرے میں پڑتی نظر آئی، تو سارا الزام محسن الملک پر ڈالا جانے لگے اور سید محمود صاحب نے سر اینٹونی میکڈانلڈ کو ایک خط لکھا جس میں یہ تک لکھ ڈالا کہ

"کالج کے اصلی بہی خواہوں کے لئے یہ امر ضرور رنج و افسوس کا باعث ہوگا کہ میرے والد سر سید مرحوم کی وفات کے بعد کالج کے معاملات کی نوبت، جس کو سیاسی محاذ آرائیوں سے محفوظ رکھنے کے

واسطے انہوں نے ساری عمر کوشش کی تھی۔ کیونکہ وہ خالص خیراتی اور تعلیمی ادارہ تھا، جلد ادنیٰ درجے کی سیاست تک پہنچ گئی۔"

یہی وہ ذہن تھا جس کی وجہ سے محمد علی جوہر جیسے علی گڑھ کے شیدائی کو خود ارباب علی گڑھ کے مدمقابل کھڑا ہونا پڑا۔ محمد علی جوہر ہی کی ایک اور مثال میں علی گڑھ کی سرکار پرستی کی ذہنیت بالکل بے نقاب نظر آتی ہے۔ برطانیہ سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد محمد علی جوہر نے اپنے کو علی گڑھ میں تدریسی خدمات کے لئے پیش کیا۔ لیکن چونکہ حکومت محمد علی جوہر کو ناپسند کرتی تھی اس لئے انہیں تدریسی عملہ میں نہ لیا گیا جس کا اعتراف خود محسن الملک نے ان الفاظ میں کیا کہ "لیکن وہ ذہنیت جسے انگلش اسٹاف اس درس گاہ کی تعلیم و تربیت کا جوہر سمجھتا تھا۔ محمد علی میں موجود نہ تھی اس لئے مارلین صاحب کی سخت مخالفت سے درخواست مسترد ہوئی۔"

یہ ایک منفرد واقعہ نہیں ہے بلکہ اس دور کے علی گڑھ کے ذہن کا عکاس ہے۔

ح ——— کچھ خرابیاں تو علی گڑھ کے تعلیمی مزاج کی تھیں جب کہ کچھ اور کا اضافہ یورپین اسٹاف کی موجودگی نے کر دیا۔ سر سید مرحوم کا اصرار تھا کہ یورپین اسٹاف ضرور رکھا جائے۔ اس پر دوسرے صاحب نظر ٹرسٹیوں نے اعتراض بھی کیا۔ لیکن ان کی ایک نہ چلی اور اس چیز کا اثر یہ ہوا کہ علی گڑھ کی معاشرت پر مغربیت کا رنگ آ گیا۔

ط ——— چند استثنائی ادوار کو چھوڑ کر بحیثیت مجموعی علی گڑھ اسلام کے بین الاقوامی رنگ سے محروم رہا۔ ہندوستانی مسلمان شروع ہی سے اسلامی عالم گیریت کے علمبردار رہے ہیں اور یہ چنگاری کم عمر طلبہ کے سینوں میں موجود رہی ہے۔ لیکن جن لوگوں کے ہاتھوں میں علی گڑھ کی زمام کار تھی، انہوں نے ترکی ٹوپی کے علاوہ اسلامی بین الاقوامیت کے کسی جذبے کو پروان نہ چڑھایا

لیکن چونکہ یہ احساس مسلمان کے رگ و پے کا میں موجود ہے اس لئے شعوری کوشش کے باوجود اس جذبہ کو ختم نہ کیا جا سکا۔

یہ ہیں وہ اہم پہلو جن کی بنا پر علی گڑھ کی تعلیمی تحریک اسلامی، قومی اور ملی نقطۂ نظر سے ایک کامیاب تحریک نہ رہی۔ اس کے نتائج بحیثیت مجموعی تباہ کن ہے اس نے جو خدمات انجام دیں ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ آج پاک و ہند کے مسلمانوں کو جو فکری، تہذیبی اور تعلیمی مشکلات اور الجھنیں درپیش ہیں اور اس وقت ہم جس ثقافتی بحران سے دوچار ہیں، وہ بڑی حد تک علی گڑھ اور اس کے ذہن کی پیداوار ہے۔ مسلمانوں میں جدید تعلیم کا رواج تو ضرور بڑھ گیا ہے، لیکن جس مقصد کے لئے تعلیم دی جاتی ہے، وہ پامال ہو گیا ہے۔ آج خواہش کے باوجود صحیح خطوط پر تعلیمی تشکیل جدید کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تعلیم کا وہی مزاج ہے جو علی گڑھ اور مغربی تعلیم کا پیدا کردہ ہے۔

علی گڑھ کی تحریک پر یہاں اتنی مفصل گفتگو اسی لئے ضروری تھی کہ ان اصل خرابیوں کے احساس کے بغیر تشکیل نو ممکن نہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ علی گڑھ بالکل ناکام رہا، لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جو نیا نظام تعلیم علی گڑھ نے جنم دیا، اسلامی نقطۂ نگاہ سے اور مسلمانوں کی تعلیمی اور ثقافتی روایات کے نقطۂ نظر سے، وہ نہ صرف غیر تسلی بخش بلکہ مضر اور نقصان دہ رہا ہے۔ شکر ہے کہ آخری زمانے میں اس کا احساس خود اربابِ علی گڑھ کو بھی ہو چلا تھا جس کا اندازہ مندرجہ ذیل تاثرات سے ہو سکتا ہے۔

محمد علی جوہر اپنے ایک خط میں نواب محسن الملک کو ان کی اور علی گڑھ کی روش پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مگر جو راستہ آپ نے لیا ہے، وہ آپ کو منزلِ مقصود تک ہرگز نہ پہنچائے گا۔" ے

عزمِ سفرِ کعبہ و رو در مشرق   اے راہ رو پشت بمنزل ہشیار

یہ کعبہ کی راہ نہیں ہے، یہ ترکستان کا راستہ ہے۔ یہ غلطی آپ کے دل کی نہیں، آپ کے دماغ کی ہے۔"

محمد علی جوہر کی علی گڑھ سے مایوسی ہی تھی، جس نے انہیں "جامعہ ملیہ" قائم کرنے کی ترغیب دی اور جس کے پہلے وائس چانسلر وہ خود تھے۔

نواب وقار الملک، سر سید احمد خاں کی پالیسی سے سخت غیر مطمئن تھے۔ اس کا اندازہ اس خط سے کیجئے جو سرسید مرحوم نے ان کے نام لکھا ہے اور جس میں وہ لکھتے ہیں

"جن امور کو آپ تصور کرتے ہیں کہ قومی کالج کے لئے مبارک فال نہیں، ہم انہی امور کو کالج کے لئے مبارک فال سمجھتے ہیں پس اس کا کوئی علاج نہیں ہے، اور یقین کرنا چاہئے کہ جو خدا کو منظور ہے، ہوگا۔"

پھر جب ان کی اپنے صاحبزادے مسٹر محمد احمد، علی گڑھ کی تعلیم کے بعد لندن سے انگریز بیوی لائے اور گھر واپس آنے کی بجائے بنگلور جا کر مقیم ہوئے، تو اس ذاتی تجربے کے بعد انہیں اور بھی شدید صدمہ ہوا اور انہوں نے نئی تعلیم کے تلخ نتائج کو بچشم سر دیکھ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ علی گڑھ کے سربراہ ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے دوسرے بیٹے کو "ندوۃ العلوم" بھیجا۔

نواب وقار الملک جو علی گڑھ کے معماروں میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں، اس صورت حال سے اتنے بد دل ہوئے کہ ۱۹۱۲ء میں انہوں نے جامعہ کی جداگانہ اسکیم پیش کی اور ایک نئی تعلیمی حکمت عملی کی ضرورت کا اظہار کیا۔

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی علی گڑھ سے بے اطمینانی اور مایوسی ایک کھلی حقیقت ہے۔ ۱۸۸۲ء میں ایک خط میں انہوں نے لکھا۔

معلوم ہوا کہ انگریزی خواں قوم نہایت مہمل فرقہ ہے۔ مذہب کو جانے دو، خیالات کی وسعت، اسپی آزادی، بلند ہمتی، ترقی کا جوش برائے نام نہیں۔

...یہاں ان چیزوں کا ذکر نہیں آتا، بس خالی کوٹ پتلون کی نمائش گاہ ہے۔
آخری عمر میں ـــــ کے ایک خط میں لکھتے ہیں۔
اس کی سطح بہت گر چکی ہے اور انگریزی تعلیم جہل کے برابر بن گئی ہے۔
الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ جو سرسید احمد خان مرحوم کے سب سے بڑے مداح ہیں۔ وہ ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"۲۶ برس کے تجربے سے ان کو اس قدر ضرور معلوم ہو گیا ہوگا کہ انگریزی زبان میں بھی ایسی تعلیم ہو سکتی ہے جو دیسی زبان کی تعلیم سے بھی زیادہ نکمی، فضول اور اصلی لیاقت پیدا کرنے سے قاصر ہو۔"

مولانا حالی کا تذکرہ کرتے ہوئے بابائے اردو مولوی عبدالحق لکھتے ہیں۔

"جدید تعلیم کے بڑے حامی تھے اور اس کی اشاعت و تلقین میں مقدور بھر کوشش کرتے رہے، لیکن آخر عمر میں ہمارے کالجوں کے طلبہ کو دیکھ کر انہیں کسی قدر مایوسی ہونے لگی تھی۔"

اور آخر میں ہم علی گڑھ کے بانی سرسید احمد خان کے ایک خط سے اقتباس پیش کرتے ہیں، جو اس باب میں حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۸۹۰ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"تعجب یہ ہے کہ جو تعلیم پاتے جاتے ہیں اور جن سے قوم کی بھلائی کی امید تھی وہ خود شیطان اور بدترین قوم ہوتے جاتے ہیں۔"

علی گڑھ ہماری قومی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ آج ہم اس پوزیشن میں ضرور ہیں کہ گزشتہ سو سال کے پس منظر میں رونما ہونے والے واقعات اور تحریکات کا ناقدانہ جائزہ لے کر ایک رائے قائم کریں۔ لیکن جن مجبوریوں اور مشکلات میں علی گڑھ تحریک کا آغاز ہوا اور حالات کے اندر اس کا

مزاج بنایا اس سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے، لیکن اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بظاہر یہ روش کتنی ہی سوچ سمجھ کر اختیار کی گئی ہو لیکن جس کی نگاہ پچھلے سو سال کی تاریخ پر ہے، وہ جانتا ہے کہ ایک ہاری ہوئی فوج کے شکستہ دل اور شکستہ ہمت کمانڈر کی مجبوریاں اس کے پس پشت کارفرما تھیں۔ نتائج چاہیں کتنا بھی افسوس ہو، لیکن علی گڑھ کے بانی اور اس کے رفقاء کار کے اخلاص میں کوئی شک نہیں اور اس ماحول میں ان کی مجبوریوں کا ہمیں پورا احساس ہے۔

ایک اور قابل غور پہلو یہ ہے کہ خواہ علی گڑھ تحریک سے اتفاق کیا جائے یا اختلاف، مسلمانان ہند کی تاریخ کے جدید دور پر اس ادارے کے جو اثرات پڑے ہیں، وہ غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تعلیم کے ذریعے فکر و نظر، سیرت و کردار اور اخلاق و معاشرت میں کتنی غیر معمولی دور رس اور انقلابی تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔ اکبر نے سچ کہا تھا۔

دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

یہ علی گڑھ کا اثر ہے کہ ہندوستانی مسلمان اسلامی قومیت اور مسلم قومیت کے لطیف فرق کو محسوس نہ کر سکے اور گزشتہ پچاس سال سے سیاست میں جو ژولیدہ فکری رہی ہے، وہ نئی تعلیم ہی کے اثرات کی پیدا کردہ ہے، نیز آج پوری زندگی کو اسلام کے رنگ میں رنگنے میں جو مشکلات حائل ہیں، وہ بھی اسی ذہن کی پیداوار ہیں۔ یہ جو بہت سے ماہرین تعلیم، اسلامی تصور تعلیم اور اسلامی نظام تعلیم کو سمجھ نہیں پا رہے ہیں اور چند سالوں کے لئے دینیات کی تعلیم کو اسلامی تعلیم کے مترادف سمجھ رہے ہیں، وہ بھی اسی مخصوص ذہن کی پیداوار ہے۔ اگر نظام تعلیم میں اسلامی بنیادوں پر ایک ہمہ گیر انقلاب لانا ہے تو ذہنوں سے علی گڑھ کے ماڈل کو ہٹانا ہوگا اور تعلیم کا ایک ایسا نظام تعمیر کرنا ہوگا، جو اسلامی مقاصد، اسلامی اصول اور اسلامی مزاج کا آئینہ دار ہو۔

تحقیق کیسے

پہلی قسط

تحریر ـــــ ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری
ترجمانی ـــــ انیس احمد فلاحی مدنی

> ہر تالیف کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے، اگر مؤلف کا مقصد نیک اور انسانیت کی تعمیر و ترقی کا آئینہ دار ہو تو اس تالیف سے اس کا رتبہ بلند ہو جاتا ہے۔ اور اگر مقصد پست ہو تو مؤلف لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے۔

یہ بات اب مسلمات میں شمار کی جاتی ہے کہ ایم فل اور ڈاکٹریٹ کے طالب علم کو تعلیم کی تکمیل اور حصول سند کے لئے مقالہ پیش کرنا پڑتا ہے۔ جبکہ بعض یونیورسٹیوں کی تعلیم کا دارومدار ہی محض مقالوں پر ہوتا ہے۔

ان مقالوں میں کامیابی یا ناکامی کا انحصار طالب علم کی اس جد و جہد پر ہوتا ہے جو اس نے ایم فل کے مقالہ میں اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے میں صرف کی ہو۔

ایم فل اور ڈاکٹریٹ کے مقالوں کے مراحل و مدارج درج ذیل ہیں۔

پہلا مرحلہ

حسن انتخاب

امام خلیلؒ کا مشہور قول ہے "ہر چیز کی ایک خوبی ہوتی ہے اور عقل کی خوبی اس کا حسن انتخاب ہے۔"

حسن انتخاب کا دارومدار درج ذیل امور پر ہے۔

۱۔ طالب علم موضوع کو اپنی پسند و رغبت سے اختیار کرے کیونکہ اس کے بغیر مقالہ میں جدت آفرینی و جدت طرازی کی شان اور جمال و ندرت کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ اسی طرح

موضوع کا طالب علم کی ذہنی و عقلی صلاحیتوں کے معیار سے ہم آہنگ ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ اگر اس نے اپنے معیار سے کم تر درجہ کا موضوع منتخب کیا تو اس کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں موضوع رکاوٹ پیدا کرے گا جو اس کی علمی و ذہنی صلاحیتوں کو زنگ آلود کر دے گا۔

۲۔ موضوع خواہ علمی ہو، یا سماجی اسے انسانی تعمیر و ترقی میں معین و مددگار ہونا چاہئے امام سیوطیؒ نے اسی کی جانب ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے، "تحری تصنیفہ فیما یعم الانتفاع بہ ویکثر الاحتیاج الیہ" یعنی تصنیف کا موضوع بھی عام ضرورت سے متعلق ہو اور اس کا فائدہ بھی عام ہو۔

۳۔ جدت آفرینی و جدت طرازی بھی عمدہ مقالوں کا ایک وصف ہے۔ خاص طور سے ڈاکٹریٹ کے مقالے کی کامیابی کا دارومدار اسی پر ہوتا ہے۔ البتہ ایم اے کے مقالوں میں اگر معلومات جمع کر کے مخصوص انداز سے انکی ترتیب و تنظیم کر دی گئی ہو تو اتنا بھی کافی ہے اس کے ساتھ تحقیقی اوصاف بھی پہلو بہ پہلو رہیں تو مقالے کی معنویت دو چند ہو جائے گی۔

اسی لئے ایسے عناوین کو اختیار کرنا چاہئے جن پر کام نہ ہوا ہو یا ناقص ہوا ہو۔

ابتکار و جدت صرف علمی معلومات میں اضافہ کا نام نہیں ہے بلکہ ابتکار و جدت اس چیز کا نام ہے کہ معلومات و نتائج کو حالات کے مطابق نئے اسلوب اور نئے انداز سے پیش کیا جائے تاکہ قاری کے لئے اس سے استفادہ ممکن ہو۔ چنانچہ صاحب الاذکی فرماتے ہیں کہ "ہر مصنف کو تصنیف کے وقت دو مقصد پیش نظر رکھنا چاہئے یا تو تصنیف سے مقصود علمی معلومات میں اضافہ ہو یا سابقہ معلومات کو عصری اسلوب میں دل کش انداز سے پیش کرنا مد نظر ہو (مخطوطہ التعریف بآداب التالیف)

۴۔ طالب علم ایسا موضوع منتخب کرے جس کا اندراج کسی یونیورسٹی میں مقالہ کیلئے نہ کرایا گیا ہو ورنہ تمام مقالے ایک ہی معیار کے ہونے کے ساتھ ساتھ ندرت و جدت سے بھی خالی ہونگے۔

۵۔ ایم فل اور ڈاکٹریٹ کے مقالوں کی ضخامت بھی مناسب ہونی چاہئے۔ چنانچہ عموماً ایم فل کے مقالے ۱۵۰ صفحات سے تین سو صفحات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جب کہ

ڈاکٹریٹ کے مقالے ڈھائی سو سے چار سو صفحات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

لہٰذا طالب علم کو موضوع کی تعیین کے وقت اس چیز کو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے۔

۵۔ اکثر یونیورسٹیوں میں مقالوں کی تکمیل کے لئے ایک وقت متعین کر دیا جاتا ہے اس لئے ہر اس موضوع سے احتراز کرنا چاہیئے جس کو متعینہ مدت میں پورا کرنا دشوار ہو۔ مثلاً اگر تدوین حدیث کے عنوان پر کوئی مقالہ لکھنا چاہے تو چودہ صدیوں پر مشتمل اس علم کو دو چار سال کے عرصہ میں پورا کر لینا مشکل ہے۔ تو اس طرح کے موضوع پر اگر کام کرنا ہو تو اس کے کسی ایک حصہ پر کام کرنا کافی ہوگا۔ مثلاً مذکورہ بالا عنوان کے بجائے اگر وہ یہ موضوع متعین کرے تیسری صدی اور تدوین حدیث۔ تو یہ چیز زیادہ مفید اور مقالہ زیادہ کارآمد ہوگا۔

دوسرا مرحلہ

خاکہ تحقیق کی تیاری

مقالہ کے عنوان کا اندراج کروانے سے پہلے طالب علم کو مقالہ کے تمام مدارج کو تیار کر لینا چاہیئے۔ یعنی علمی مواد کو مختلف ابواب و فصول میں تقسیم کر کے ان اہم نکات کا احاطہ کر لینا چاہیئے جنہیں وہ ان ابواب و فصول میں زیر بحث لائے گا تاکہ ادارہ یہ فیصلہ کر سکے کہ آیا طالب علم اس موضوع پر کام کرنے کا اہل ہے یا نہیں۔

اسی طرح طالب علم خاکہ تحقیق بناتے وقت اس بات کا خصوصی خیال رکھے کہ خاکہ تحقیق درج ذیل صفات کا حامل ہو۔

۱۔ لچکدار ہو، تاکہ حسب ضرورت مقالہ لکھتے وقت اس میں حذف و اضافہ اور تقدیم و تاخیر ہو سکے۔

۲۔ موضوع کے تمام ہی اہم عناصر پر مشتمل ہو۔

۳۔ ابواب و فصول کے درمیان تاریخی اور منطقی ربط و تسلسل و ہم آہنگی کا لحاظ رکھا گیا ہو۔

خاکہ تحقیق پر مجلس تحقیق کی جانب سے موافقت آجانے پر ادارہ کی جانب سے رسمی مشرف متعین کیا جائے گا۔ اس مرحلہ کے بعد طالب علم تیسرے مرحلہ میں قدم رکھے گا۔

تیسرا مرحلہ

علمی مواد جمع کرنا

عموماً علمی مواد جمع کرنے کے لئے کارڈ (۱۵ × ۱۲ سینٹی میٹر مضبوط کاغذ) کا استعمال کیا جاتا ہے۔ کارڈ کے اوپر مؤلف کا نام اور اوپر سے داہنی جانب کتاب کا نام اور علمی مواد نقل کرنے کے بعد اس کی ذیلی ہیڈنگ، یا اس عبارت کے راوی کا نام درج کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جلد نمبر اور صفحہ نمبر۔

مواد اور کتاب کی ضروری وضاحتیں الگ الگ روشنائی سے تحریر کی جاتی ہیں۔

کاپیوں اور لمبے اوراق کے بجائے ان چھوٹے ٹکڑوں کا استعمال زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ جہاں ان کو منظم کرنے اور استعمال کرنے میں سہولت ہے وہیں جن کارڈوں سے استفادہ کر لیا گیا ہو انہیں ایک طرف ہٹانا بھی ممکن ہے۔

کسی کتاب سے استفادہ کے بعد اس کی ضروری وضاحتوں کو ایک الگ خاص کارڈ پر اندراج کر لینا بہت ضروری ہے تاکہ مصادر و مراجع کی فہرست بناتے وقت ان سے مدد لی جا سکے۔

ضروری وضاحتیں درج ذیل امور پر مشتمل ہوتی ہیں: مؤلف کا پورا نام، اس کی تاریخ وفات، کتاب کا مکمل نام، اس کے اجزاء کی تفصیل، ناشر کا نام، پریس کا نام، اس کا ایڈریس اور تاریخ طبع۔

جمع معلومات کے دو طریقے ہیں یا تو مقالہ کے تمام ہی ابواب و فصول سے متعلق مواد کو یکبارگی جمع کر لیا جائے۔ اور پھر مقالہ کے دوسرے مراحل کی جانب قدم اٹھایا جائے یا صرف ایک فصل کے مواد کو جمع کر کے اس کو ترتیب دے دیا جائے اور پھر دوسری فصل کے مواد کو اکٹھا کیا جائے۔

پہلے طریقہ کی خوبی یہ ہے کہ ایک ہی مصدر کو بار بار استعمال کرنا نہیں پڑتا ہے جس سے وقت کی بچت ہوتی ہے۔ جب کہ دوسرا طریقہ ریسرچ اسکالر کی ذہنی اکتاہٹ کو دور کرنے میں معاون ہوتا ہے۔ کیونکہ اس احساس سے کہ کم مدت ہی میں ایک فصل میں نے لکھ لی دوسری فصل لکھنے کے حوصلہ اور جذبہ کو مہمیز ملتی ہے۔ البتہ کس طریقہ کو اپنانا زیادہ بہتر

ہوگا اس کا فیصلہ موضوع کی ماہیت پر منحصر ہے۔

جمع معلومات کے وقت درج ذیل امور کا خیال رکھنا ازحد ضروری ہے۔ معلومات انتہائی باریک بینی سے نقل کی جائیں اور بے جا اختصار سے اجتناب کیا جائے۔ ان تمام کا مراجع سے استفادہ کیا جائے جو اس موضوع پر موجود ہوں، خواہ وہ مطبوعہ ہوں یا غیر مطبوعہ، مصادر قدیمہ ہوں، یا جدیدہ، کتابیں ہوں یا مقالات، اور ہر عبارت اس کے مصنف کی اصل کتابوں سے نقل کی جائے، کیونکہ واسطہ سے نقل کرنے میں تحریف و تبدیلی کا اندیشہ ہوتا ہے اور اگر عبارت نقل کرنے کے دوران کوئی اہم نکتہ ذہن میں آئے تو اسے کارڈ کے نیچے الگ روشنائی سے لکھ لیا جائے، کیونکہ مقالہ لکھتے وقت وہ نکتہ ذہن سے نکل سکتا ہے۔

غزل

محمد شفیع سیتاپوری
(استاد جامعۃ الفلاح)

خود کو فریب و مکر و دغا کے خلاف رکھ — دل اپنا آئینے کی طرح پاک صاف رکھ
اقرار جس کی ذات کا روز ازل کیا — اس کی زمیں پہ نہ جذب انحراف رکھ
مجھ کو حقیقتوں کی فضاؤں میں اڑنے دے — تو اپنے پاس تذکرۂ کوہ قاف رکھ
شمشیر کے بغیر کسی کام کا نہیں — نادان اپنے ساتھ نہ خالی غلاف رکھ
معشوق جاوداں کو رجھانے کے واسطے — کپڑوں سے بڑھ کے قلب و جگر پاک صاف رکھ
نکھرا دکھائی دیگا تجھے چہرۂ نشاط — تو دل کے آئینے میں نہ کوئی شگاف رکھ

شیوہ ہے تیرا حق کی حمایت کا اے شفیع
جو حق نہیں تو اس سے سدا اختلاف رکھ

لکھ رہا ہوں جنوں میں کیا کیا ———— دوسری قسط

روداد سفر لکھنا ہے جرأت مستانہ

ابوالاحسان نقوی

اب ہمیں لکھنؤ سے دہلی کا سفر درپیش تھا۔ لکھنؤ میل سے ہمارا رزرویشن پہلے ہی بن چکا تھا ٹرین رات دس بجے کھلتی تھی۔ اسٹیشن پہنچے تو وہاں کافی بھیڑ تھی۔ ہم پلیٹ فارم کی جانب چلے ہم خوش فہمی میں مگن تھے کہ نوابوں کی اس سرزمین پر ٹرین میں چڑھتے اور اترتے وقت تاریخی آداب کا کچھ نہ کچھ خیال تو رکھا ہی جائے گا کہ نواب حضرات اپنے زمانے میں "پہلے آپ نہیں پہلے آپ" میں ٹرینیں چھوڑ دیا کرتے تھے مگر جناب وہاں تو سماں بالکل بدلا ہوا تھا۔ لوگ دروازوں پر چڑھنے کے لئے ایک دوسرے کو دھکا دیتے ہوئے اس قدر زور آزمائی میں معروف تھے کہ جیسے اولمپک کا کوئی مقابلہ ہو کہ جو پہلے چڑھا اسے سونے کا تمغہ ملا۔ بزرگوں کی حالت خاص طور پر قابل دید تھی۔ وہ دروازے سے قدرے دور کھڑے سہمے سہمے اپنے آپ کو ایسا دیکھ رہے تھے جیسے بوڑھا ہونا کوئی گناہ کبیرہ ہو۔

اگلے دن صبح جھٹکے سے ہماری نیند جو کھلی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ٹرین نئی دہلی ریلوے اسٹیشن پر گہری گہری سانسیں لے رہی ہے۔ ہمارا تو گمان تھا کہ رات میں دو چار بار ہمیں "دہلی ہنوز دور است" کا نعرہ مارنا پڑے گا مگر نعرہ بازی کے بغیر ہی ہم دہلی پہنچ چکے تھے۔ نئی دہلی سے اوکھلا جاتے ہوئے ہم نے نہ جانے کیا کیا دیکھا ___ حکما کا کہنا ہے کہ ساری باتیں اگر یاد رہ جائیں تو آدمی پاگل ہو جائے پھر بھی فلک شگاف عمارتوں کے پہلو بہ پہلو فٹ پاتھ پر واقع جھونپڑیوں کو ہم آج تک نہیں بھلا سکے۔ دیدہ زیب بلڈنگوں کے سامنے، پھوس کی ان ننھی ننھی کوٹھریوں سے جب عورت اور مرد باہر نکلتے تو ہمیں محسوس ہوتا جیسے وہ زبان حال سے یہ شعر گنگنا رہے ہوں کہ

ان گنت شاہوں نے دولت کا سہارا لیکر — ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

دہلی میں مزید ہم کیوں رکتے اور کیا دیکھتے جبکہ بقول کسے "وقت کے پیچھے لٹھ لئے پڑا ہے"

میں بیٹھے ہیں اور اس کے حقیقی اہل دَر دَر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ لہٰذا ہم نے شام ہی کو رختِ سفر باندھ ڈالا۔ ہماری خوش قسمتی کہ یہاں بھی پہلے ہی سے ہمارا رزرویشن بذریعہ کرناٹکا ایکسپریس تیار تھا۔ مزید کرم بالائے کرم یہ کہ یہاں سے چند قریبی دوستوں کی ایک ٹیم ہماری ہم سفر ہو گئی۔ اس ٹرین سے ہم سب کا آخری پڑاؤ بنگلور تھا۔ لطف کی بات یہ تھی کہ ہماری یہ ٹرین مختلف ریاستوں (دہلی، یو۔پی، ہریانہ، راجستھان، مدھیہ پردیش، مہاراشٹرا، آندھرا پردیش) کو چھوتی ہوئی بنگلور پہونچتی۔

رات جوں ہی میں نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر دیکھا تو رات کی گہری تاریکی اور ماحول کا بھیانک سناٹا مجھے عجیب لگا۔ پہاڑوں کے درمیان راستہ، سرنگوں کی بھیڑ اور پہاڑوں سے جھرنوں کی طرح گرتا پانی بڑا دلفریب معلوم ہوا۔ بے ساختہ مجھے مجازؔ کی شاہکار نظم "رات اور ریل" یاد آ گئی۔ ۱۹۳۳ء میں لکھی گئی یہ نظم آج بھی اسی سوز و ساز کے ساتھ پڑھی جاتی ہے کہ جس طرح اکسٹھ سال قبل پڑھی جاتی تھی۔؎

پھر چلی ہے ریل اسٹیشن سے لہراتی ہوئی — نیم شب کی خامشی میں زیرِ لب گاتی ہوئی
ڈگمگاتی، جھومتی، سیٹی بجاتی، کھیلتی — وادی و کہسار کی ٹھنڈی ہوا کھاتی ہوئی
ٹھوکریں کھا کر لچکتی گنگناتی جھومتی — سرخوشی میں گھنگھروؤں کی تال پر گاتی ہوئی

پھر مزید یہ کہ؎

ناز سے ہر موڑ پر کھاتی ہوئی سو پیچ و خم — اک دلہن اپنی ادا سے آپ شرماتی ہوئی
سینۂ کہسار پر چڑھتی ہوئی بے اختیار — ایک ناگن جس طرح مستی میں لہراتی ہوئی
منھ میں گھستی ہے سرنگوں کے یکایک دوڑ کر — دندناتی، چیختی، چنگھاڑتی گاتی ہوئی

مدھیہ پردیش کی راجدھانی بھوپال جسے "تالابوں کا شہر" بھی کہتے ہیں راستے میں پڑا۔ مشہور مسجد "تاج المساجد" یہیں واقع ہے۔ گیس کا تاریخی عبرتناک حادثہ بھی بھوپال ہی میں ہوا تھا۔ بی جے پی کی ریشہ دوانیاں یہاں بھی شباب پر رہا کرتی ہیں۔ پچھلی بار یہاں بی جے پی برسرِ اقتدار تھی۔ —— خاص بات مشاہدے کی یہ رہی کہ کہیں بھی خالی کی سرکاری زمین نظر آئی ان کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہاں مندر بنا دیا جائے۔ بعض اہم تاریخی مراکز تک میں بھی گھس کر انہوں نے

مندر کی بنیادیں ڈال رکھی ہیں۔

ٹرین ابھی بھوپال اسٹیشن پر رکی ہوئی تھی کہ میری نظر ایک سکھ پر پڑی۔ اس کے خد و خال کچھ ایسے تھے کہ مجھے ایک سال پرانا حیدرآباد تا لکھنؤ کا سفر یاد آ گیا۔ اس سفر میں بھی میرے ساتھ کئی احباب تھے —— ہوا یوں کہ جب ہم لکھنؤ کے لئے حیدرآباد سے ٹرین پر سوار ہوئے تو ہمارے بغل کی کیبن میں ایک سکھ فیملی بھی آ بیٹھی۔ سفر لمبا تھا لہٰذا تقریباً سبھی نے ہاتھ پیر پھیلائے۔ میں خود اوپر والی برتھ پر چلا گیا۔ سکھ فیملی چونکہ بڑی تھی اس لئے ایک سکھ ہمارے ایک ساتھی کی برتھ کے کنارے آ بیٹھا۔ چہرے سے وہ کوئی شریف ہی آدمی لگ رہا تھا۔ اس کی عمر پچاس پچپن کے درمیان رہی ہو گی —— پس منظر میں پنجاب اور کشمیر کے حوالے سے ہمارا تاثر ہندوؤں کے مقابلے میں سکھوں کے بارے میں کچھ اچھا ہی ہے لہٰذا ہم اور بھی مطمئن رہے —— ہمارے ساتھی نے ایک پاکستانی رسالہ نکالا اور مطالعے میں مصروف ہو گیا۔ غالباً وہ مضمون جسے وہ پڑھ رہا تھا اس کی سرخی کچھ اس طرح تھی "ہندوستانی تو واپس جاؤ" —— سکھوں میں کم از کم پرانے سکھ تو اردو جانتے ہی ہیں۔ وہ سکھ بھی گردن بڑھا کر مضمون پڑھنے لگا۔ مضمون پڑھتے ہی وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے ہمارے ساتھی کے ہاتھ سے رسالہ چھین لیا اور گرج کر بولا "یہ کیا پڑھتے ہو؟ ہندوستان میں رہ کر غداری کرتے ہو؟ ابھی میں پولیس کو بلاتا ہوں" —— پھر وہ غصے میں کانپتا ہوا ایک طرف کو چل دیا۔ ادھر ہم سکتے میں آ گئے کہ کسی سکھ سے تو ایسی توقع نہیں تھی۔ چونکہ ٹرین چل رہی تھی لہٰذا جلد ہی واپس آ گیا مگر اس کی زبان اب بھی بند نہیں تھی۔ ہمارے ساتھی نے لپک کر اس سے رسالہ چھین لیا جس پر وہ اور برہم ہوا۔ ہم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر اس نے ایک نہ سنی۔ ہم نے بھی چپ رہنے میں عافیت سمجھی —— اس دن ہم پر یہ حقیقت عملاً واضح ہوئی کہ سکھوں میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو دل و جان سے بھارت ماتا کا پرستار ہے۔

اور آگے بڑھے تو نرمدا (NARMADA) ندی آئی جو عرض بچھا کر ملتی ہے۔ تا حدِ نظر پانی ہی پانی۔ اس وقت اس میں اکتیس فٹ پانی بہہ رہا تھا۔ پانی پانی دیکھ کر ہم بھی پانی پانی ہوتے پایا۔ اچانک میرے ذہن میں علامہ فاروق بانسپاری کی نظم کے یہ اشعار چلنے لگے؎

ننھے بچے کھیل رہے ہیں — "چھل چھل چھل کرتا پانی
ندی نالا ایک ہوگئے ہیں — کاشی سے تا متھرا پانی
مانسہرے ٹرتا ایبٹ مڑتا — ہر دم راہ بدلتا پانی
کوسوں تک جل تھل کا عالم — اللہ اللہ اتنا پانی۔

اچانک ٹرین سست پڑ گئی۔ پتہ چلا کہ پل خراب ہے۔ حکومت ہند نے اسے ابھی دو ماہ قبل ہی تعمیر کروایا تھا کہ اس کے دو پیلر بہ گئے جبکہ اس کے بازو میں دوسرا پل جسے انگریزوں نے بنایا تھا ابھی دھوم سے چل رہا ہے۔ مسٹر ہدہد جو بڑی دیر سے خاموشی کا روزہ رکھے ہوئے تھے بول پڑے "آخر قرض کے پیسے میں کتنی طاقت ہوتی ہے"

—ہم تمام نے انہیں داد دی "دیر آید درست آید"۔

منماڑ سے آگے گاڑی رک گئی اور دیر تک رکی رہی۔ معلوم ہوا کہ شعلہ پور کے پاس حادثہ ہو گیا ہے۔ اللہ کا فضل ہوا کہ ہمیں قبل از وقت اطلاع ہو گئی ورنہ ہماری ٹرین کا بھی وہی حشر ہوتا۔ پتہ چلا کہ گاڑی گھوم کر اورنگ آباد کے راستے سے جائے گی اور یہاں تقریباً چار گھنٹے رکی رہے گی۔ ہم نے ان چار گھنٹوں کو نعمت غیر مترقبہ سمجھا اور ایک "شعری" نہیں بلکہ "نثری نشست" کا فیصلہ کیا۔

رب ذوالجلال کی حمد و ثنا کے بعد نشست کا آغاز چچا غالب کے ان اشعار سے ہوا۔

ہم سے کھل جاؤ بوقت مے پرستی ایک دن — ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذر مستی ایک دن
قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں — رنگ لاوے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن
دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں — ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

آخری شعر مقطع پر وہ داد دی گئی کہ بیان سے باہر۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ "یہ شعر حد درجہ سوقیانہ ہے" کسی نے کہا "حقیقت پسندی کا اظہار ہے"۔ ایک صاحب بولے "آخر کار غالب صاحب بھی تو انسان ہی تھے۔ ایک عدد دل ان کے پاس بھی تھا۔ وجد میں آگے بڑھ گئے بیچارے! آپ لوگ خدا واسطے قلب و نظر کا ثبوت دو" —— شور و غل مچا تو ایک صاحب غسل کی بیٹھک سے بھاگتے ہوئے آئے اور بحث میں شامل ہو گئے پھر موقع پاتے ہی انہوں نے کہا

— "شعر و ادب کے دیوانو! شعر حاضر کیا ہے کہ" ؎

کیا الکشن کا ہوا ہے فیض جاری ہائے ہائے ۔۔۔ لیڈروں پر پڑ گیا ہے بوجھ بھاری ہائے ہائے
اب کرو گے پھر رات دن محروم شماری ہائے ہائے ۔۔۔ دردِ دست میرے ہے مجھ کو بے قراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

پھر ہائے ہائے کے نعروں کے درمیان پورا ڈیرہ گونج اٹھا — احباب نے بڑی کوشش کی کہ یہ حضرت چپ ہو جائیں مگر انہوں نے جو شروع کیا تو ایسا لگا جیسے یہ آج اپنا پورا حفظ ہی الٹ ڈالیں گے — مجھے انہیں دیکھ کر زمانہ قدیم کا ایک شاعر آتش نوا یاد آ گیا۔

زمانہ قدیم میں ایک شاعر تھے بدوّل لکھنوی۔ فطری شعراء کے واقعات ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ ایک شام وہ اپنی غزل کی نوک بندی میں مصروف تھے۔ غزل کی نوک پلک درست کرتے انہیں رات کے بارہ بج گئے۔ غزل مکمل ہوئی تو انہیں سب سے بڑی بے چینی اس بات کی تھی کہ اب اسے کس کو سنائیں۔ بیوی کو دیکھا وہ خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی ہمت باندھ کر بیوی کا شانہ پکڑا اور جھنجھوڑتے ہوئے بولے "ارے سنتی ہو" وہ "مکمل ہو گئی"۔ بیوی چیخی "ہو گئی" جو سنا تو چونک کر آنکھیں کھول دیں مگر حضرت جی کے ہاتھ میں بیاض دیکھتے ہی اس نے بے نقط کا اپنا خطبہ جو شروع کیا تو بدوّل صاحب نہایت بد دلی کے عالم میں وہاں سے بھاگے — سڑک سنسان تھی۔ نہ کہیں آدم نہ آدم زاد۔ پھر بھی جناب بدوّل نہایت مستقل مزاجی کے ساتھ کسی قدرداں کی تلاش میں چلے جا رہے تھے آخر کار انہیں امید کی ایک کرن نظر آئی۔ ایک مکان کا دروازہ تھوڑا کھلا ہوا تھا۔ وہ لپک کر دروازہ کے قریب پہنچے، اندر جھانک کر دیکھا تو ایک آدمی کو سوتا پایا۔ بیاض ہاتھ میں دبائے وہ کمرے میں داخل ہوئے اور نہایت پر امیدی میں انہوں نے اجنبی کو جگایا۔ اجنبی نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ حضرت جی کو دیکھتے ہی وہ چلایا "چور، چور" — پاس پڑوس کے لوگ اکٹھا ہو گئے۔ کسی نے کہا "مار ڈالو جانے نہ پائے"۔ کسی نے کہا "بھاگنے نہ پائے"۔ کوئی چیخا "پہلے رسی سے باندھ دو"۔ اس بیچ جناب بدوّل ہاتھ ہلا ہلا کر کچھ کہنا چاہ رہے تھے مگر ان کی آواز شور میں دب کر رہ جاتی۔ ایک شریف آدمی نے جناب بدوّل کی یہ حالت دیکھ لی۔ اس نے لوگوں کو خاموش کیا اور بولا "لوگو یہ حضرت کچھ کہنا

چاہتے ہیں۔ کم از کم ان کی سن تو لو" جناب بدو ل گویا ہوئے "صاحبو! مجھے تم لوگ مار دیتو یا جان سے ہی مار ڈالو کوئی پروا نہیں مگر پہلے میری یہ تازہ غزل سن لو۔

بن بلائے مہمان شاعر نے جب سانس لیا تو ہمارے ایک ساتھی کو موقع ملا جو جانکنی کی سی تکلیف میں بڑی دیر سے مبتلا تھے انہوں نے کچھ یوں لب کشائی کی ؎

دو جمع دو کو چار کہتے ہیں — دل کے ملنے کو پیار کہتے ہیں
جس کے قبضے میں جان ہے میری — اس کو پروردگار کہتے ہیں

مسٹر بد بو کافی دیر سے پیچ و تاب کھا رہے تھے آخر شمع محفل ان کے سامنے بھی آئی انہوں نے کہا، حضرات! میں آپ کو اشعار نہیں سناؤں گا بلکہ ایک مشاعرہ کے کچھ احوال حاضر خدمت کرتا ہوں ــــ ایک جگہ مشاعرہ تھا۔ ایک شاعر اسٹیج پر آئے اور انہوں نے کچھ اس طرح آغاز کیا ؎ "کبھی چلمن سے میں جھانکوں کبھی چلمن سے وہ جھانکے" "کبھی چلمن سے میں جھانکوں کبھی چلمن سے وہ جھانکے" ــــ انہوں نے یہی ایک مصرعہ اتنی بار پڑھا کہ لوگ اکتا گئے۔ لوگوں میں بے چینی پھیلی تو ایک پہلوان صاحب کھڑے ہوئے۔ ادھر شاعر صاحب بار بار وہی مصرعہ دہرائے جا رہے تھے کہ "کبھی چلمن سے میں جھانکوں کبھی چلمن سے وہ جھانکے" ــــ پہلوان صاحب نے للکار کر کہا "لگا دو آگ چلمن میں، نہ یہ جھانکے نہ وہ جھانکے" ــــ اور محفل زعفران زار ہوگئی۔

ہماری نشست اسی طرح چلتی رہی کہ گاڑی حرکت میں آگئی۔ کچھ دیر بعد ہم اورنگ آباد پہنچ گئے۔ اورنگ آباد کا پرانا نام "کھڑکی" تھا۔ اورنگ زیب کی آمد کے بعد اس کا نام اورنگ آباد ہوا۔ نہر عنبری، پن چکی، بی بی کا مقبرہ اور ایلورا کے غار یہاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا مودودی کی جائے پیدائش اورنگ آباد ہی ہے ــــ یہاں کی مصنوعی سلک کی صنعت کافی مشہور ہے "ہمرو مشرو" چادریں، تکیے کے غلاف اور خواتین کی ساڑیاں باہر بھیجی جاتی ہیں۔ ایک سروے کے مطابق ایشیا کے ترقی پذیر شہروں میں اورنگ آباد پہلے نمبر پر ہے۔

خدا خدا کرکے ہم ۷ اگست کا دن گذار کر رات میں دو بجے بنگلور پہنچے۔ عمومی طور پر ہماری گاڑی بارہ گھنٹے تاخیر سے پہنچی۔ ہندوستان جیسے ملک میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہماری تمنا تھی

کہ ٹرین کچھ اور لیٹ ہو جاتی تو ہم اپنی نیند پوری کر لیتے مگر تمنا، تمنا ہی رہ گئی ــــ ہم صدر دروازے سے باہر نکلے تو ٹیکسی ڈرائیوروں نے ہمیں گھیر لیا۔ ہماری قیام گاہ اسٹیشن سے بالکل قریب ہی تھی لہٰذا ہم نے پیدل جانے کا فیصلہ کیا۔ مگر ٹیکسی ڈرائیور مصر تھے کہ "ٹیکسی ہی میں چلو پیسے کم دینا" ــــ ان سے کسی طرح پیچھا چھڑا کر ہم پیدل چلے تو ایک ٹیکسی ڈرائیور اپنی ٹیکسی ہمارے برابر لیتا آیا اور سر نکال کر پھر اصرار کرنے لگا۔ ہم انکار کر رہے تھے اور وہ اصرار پر تلا تھا۔ کافی دیر بعد جب اس نے دیکھا کہ اس کی دال گلتی نظر نہیں آتی تو وہ ہم پر یہ فقرہ چست کرتا ہوا ٹیکسی آگے نکال لے گیا "کیا جی، تمہیں لوگاں فقیراں کیا؟"

لغوی زندہ صحبت باقی

غزلیں

اشہر ندیمی
ممبئی

دید پہ پہرا ہے لیکن سوچ پہ پہرا نہیں
اس تخیل کے جہاں پر جبر کا سایہ نہیں
مشتعل حالات ہیں تقدیر بھی برہم ہے
شوق کا احساس یہ ہے حوصلہ ٹوٹا نہیں
وقت اور حالات کے چاہے ستم کچھ بھی رہیں
میں فرازِ آدمیت سے کبھی گرتا نہیں
جستجو کا کشف تھا یا حوصلوں کا وصف تھا
راہِ منزل میں حوادث نے ہمیں روکا نہیں
تشنگی صدیوں کی میری جس سمندر سے بجھے
ہر جگہ ڈھونڈا اسے لیکن کہیں پایا نہیں
بس وہیں سے دو دلوں میں فاصلے بڑھنے لگے
میں جو کہنا چاہتا تھا اس نے وہ سمجھا نہیں

قمر رسولپوری
زمین رسولپور

تلاش جس کی تھی مجھ کو میں اس کو پا نہ سکا
تمام عمر مگر میں اسے بھلا نہ سکا
وہ بار جس سے پہاڑوں کے دل دہلتے تھے
وہ بوجھ میرے سوا کوئی بھی اٹھا نہ سکا
وہ اپنے وقت کا فرعون ہو کہ ہامان ہو
ڈرا تھا جس سے میں جب تک کوئی ڈرا نہ سکا
ڈبونے آیا تھا جو بھی مرے سفینے کو
اٹھی جو موج تو خود کو بھی وہ بچا نہ سکا
خلوص اور محبت کی جس میں ہو خوشبو
میں ایسا پھول چمن میں کوئی کھلا نہ سکا
قمر رقیبوں نے کچھ ایسا مطمئن رکھا
میں اپنی قوت بازو بھی آزما نہ سکا

عبدالمبارثری فلاحی

تعارف و تبصرہ

احادیث سہلۃ (۱)

ڈاکٹر ف عبدالرحیم

طباعت: عمدہ صفحات: ۴۸ قیمت: ۱۰ روپئے

ناشر: اسلامک فاؤنڈیشن ٹرسٹ ۷۸ پیرمبور ہائی روڈ مدراس ۶۰۰۰۱۲

محترم ڈاکٹر ف عبدالرحیم صاحب کی شخصیت اب علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں رہی، آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں استاذ ہیں اس سے قبل "دروس اللغۃ العربیۃ لغیر الناطقین بہا" تین جلدوں میں منظر عام پر آچکی ہے اسے قبولیت عام بھی حاصل ہوا حتی کہ بعض مدارس نے اسے اپنے نصاب میں شامل کر لیا ہے۔ اسی انداز کی ایک بہترین کوشش یہ کتاب "احادیث سہلۃ" بھی ہے۔ جس میں موصوف نے بچوں کی ضرورت اور نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے ۱۲۰ احادیث منتخب کی ہیں پھر اس کے مفردات کی تشریح، کچھ ضروری نحوی و صرفی مسائل کی وضاحت نیز سوال و جواب کی شکل میں تمارین دی ہیں تاکہ بآسانی سب کچھ طلبہ کو ذہن نشین ہو جائے۔

یہ کتاب بالکل ابتدائی عربی پڑھنے والوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ بچوں کے مبلغ علم کی پوری رعایت کی گئی ہے جبکہ اسے ملحوظ رکھنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ شروع ہی سے طلبہ کا دینی مزاج بنانے اور دینی ماخذ سے جوڑے رکھنے کے پہلو سے یہ کتاب انتہائی لائق تحسین ہے۔ ضرورت ہے کہ اس نہج پر پورا جدید عربی نصاب تیار کیا جائے۔ البتہ بعض پہلو اصلاح طلب ہیں اسکی طرف بھی توجہ دینی چاہئے جیسے بعض تمارین کا یکساں اسلوب نفسیاتی نقطہ نظر سے مناسب نہیں ہے مثلاً ہر حدیث کے بعد یہ سوالات قائم کئے گئے ہیں من الصحابی الذی روی ھذا الحدیث؟ من المحدث الذی اخرجہ؟

حالانکہ دو چار تمارین میں ایسے سوال و جواب آجانے کے بعد بقیہ تمارین میں اسکی کوئی خاص ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اس کے بغیر بھی طلبہ اسے سمجھ سکتے ہیں جبکہ تکرار کی وجہ سے

بلاوجہ کا تکدر پیدا ہو جاتا ہے۔

عرضہ کاٹھ

مائل خیرآبادی

کتابت و طباعت: عمدہ صفحات: ۲۴ قیمت: ۲ روپئے

باہتمام: مولوی لطف الرحمٰن اعظمی

ملنے کا پتہ: مائل خیرآبادی بارہ دری، محمود خاں، رامپور پن کوڈ ۲۴۴۹۰۱ (یوپی)

مرکزی مکتبہ اسلامی ۳۵۳ چتلی قبر دہلی ۱۱۰۰۰۶

جب یہ کتاب تبصرے کیلئے ملی اور پڑھنے لگا تو پڑھتا ہی چلا گیا، ختم کر کے ہی دم لیا اس سے پہلے چھوڑنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا اس لئے کہ اردو میں زبان میں اس قدر رواں پر لطف اور بامقصد نظم اب تک میں نے نہیں پڑھی تھی جیسے جیسے پڑھتا گیا محترم مائل خیرآبادی صاحب کی داعیانہ تڑپ و دلسوزی اور حکمت و دانش مندی کا سکہ دل پر بیٹھتا گیا کیونکہ بظاہر تو یہ ایک رجز ہے لیکن اس کے اندر تحریک اسلامی کی پوری دعوت سمیٹ کر نہایت خوبصورت انداز میں پیش کر دی گئی ہے خصوصاً حق و باطل کی کشمکش اور اس کے اسباب و علل کو ایسے اچھوتے انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ بات دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔ طبقہ عوام میں دعوت اسلامی کو متعارف کرانے کیلئے یہ ایک گراں قدر خدمت ہے۔ اسی انداز کی اور بھی کچھ چیزیں تیار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ عوام (جن کے درمیان "تحریک اسلامی" اب بھی اجنبی ہے) میں دعوت اسلامی کے نفوذ کی راہیں ہموار ہوں۔ اس سلسلے میں جہاں محترم مائل صاحب سے مزید کچھ لکھنے کی درخواست کرنے کی ضرورت ہے وہیں کچھ اہل ذوق کو بھی آگے بڑھنے کی ضرورت ہے تاکہ اس خلا کو پر کیا جا سکے۔

ایک چیز یہ بات خصوصاً سامنے آجانے کے بعد اب میدان عمل میں کام کرنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں اگر اسے ریکارڈ کر کے کیسٹیں زیادہ سے زیادہ عام کریں تو یہ اور بھی زیادہ مفید ثابت ہوگا۔

آخیر میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تادیر محترم مائل صاحب کا سایہ ہم پر قائم رکھے تاکہ اسلام کی مزید کچھ چیزیں تیار ہو جائیں۔ اور آپ سے گذارش کروں گا کہ ہمت کر کے وہ مزید کچھ چیزیں تیار کر جائیں کیونکہ انہیں کا قول ہے کہ بڑھاپے میں بھی مائل جواں ہے۔

نعت

ڈاکٹر انجمن آرا انجم

کیسے میں اک نعت لکھوں
تیری شان میں اسکو پیش کروں
اپنے جذبوں کو میں کیسے
لفظوں کا اک روپ بھروں
لفظ تو سارے گونگے ہیں
کہنے سے کچھ قاصر ہیں
دل کی دنیا میں طوفاں برپا ہے
جذبات میں اک ہلچل سی مچی ہے
یاد میں تیری دیوانی ہوئی ہوں
لفظ کہاں سے میں لاؤں
نعت میں ان کو میں ڈھالوں
تیری عظمت، میرے آقا
تیری سیرت، میرے آقا
لفظوں میں ہو سکتی ہے کیسے بیاں!
تو ہی بتا دے میرے مولا
کیسے میں اک نعت لکھوں
تیری شان میں اس کو پیش کروں

غزل

شفیع اللہ خاں راز

لٹ رہے ہیں ابھی قافلے ہر طرف
غیر محفوظ ہیں راستے ہر طرف
ہر مکاں دیکھئے راکھ کا ڈھیر ہے
آگ بھڑکائی تھی آپ نے ہر طرف
رہنماؤں کی بھی عقل حیران ہے
اتنے دشوار ہیں راستے ہر طرف
شہر میں آگ کا ایک طوفان ہے
فاصلے سے ذرا دیکھئے ہر طرف
قافلے قاتلوں کے سنورنے لگے
خوں اگلنے لگے راستے ہر طرف
روز روشن میں تصویر غم بن گئے
شب میں ہنستے ہوئے لوگ تھے ہر طرف
زندگی آنسوؤں میں ہے ڈوبی ہوئی
جاں گسل بن گئے مرحلے ہر طرف
سرزمیں راز شعلے اگلتی رہی
گھر کے بادل برستے رہے ہر طرف

محمد اسمٰعیل فلاحی

جامعہ کے لیل و نہار

تعطیل کے فوراً بعد کا پروگرام

دفتر تعلیمات سے مطلع کیا گیا ہے کہ ۹۶-۹۵ء تعلیمی سال کا آغاز ۱۱ مارچ ۹۵ء چہارشنبہ سے ہوگا تمام اساتذہ کی حاضری اس دن لازمی ہوگی۔ ۱۳ مارچ ۹۵ء بروز جمعہ سے ضمنی اور چھوٹے ہوئے امتحانات ہونگے اور ۱۲ مارچ ہی کو عربی اول میں داخلہ کے لئے تحریری مقابلہ ہوگا۔ اسکاوٹ ٹریننگ ۱۲ مارچ سے شروع ہو جائے گی۔ ان پروگراموں میں شرکت کرنے والے طلبہ تاریخ کا خاص خیال رکھیں۔ بقیہ طلبہ ۱۸ مارچ سے اتنا پہلے آئیں کہ کتب خانہ سے حق میں نکلوا سکیں اور بقایاجات کی ادائیگی اور تجدید داخلہ کی کارروائی کے بعد اپنے کروں کا الاٹمنٹ کرا سکیں۔ ۱۸ مارچ کو کمروں کی تقسیم ہوگی۔ تاخیر کی صورت میں کتابوں، کمروں اور حسابات کی بے باقی میں دقت کا سامنا ہو سکتا ہے ۱۹ مارچ سے باضابطہ تعلیم شروع ہوگی اور درجہ کی حاضری لازمی ہوگی۔

انتظامیہ کا اجلاس

۲۹ دسمبر ۹۴ء تا ۲۱ دسمبر ۹۴ء جامعہ کی انتظامیہ کا اجلاس ہوا جس میں ارکان انتظامیہ نے اتفاق رائے سے انجمن طلبہ قدیم کی جانب سے پیش کردہ مستقل دارالافتاء کے قیام کی تجویز منظور کی اور طے کیا کہ سر دست اس شعبہ میں ایک ہمہ وقتی کارکن کا تقرر کیا جائے۔ اس کے ساتھ معلمین جامعہ میں سے باصلاحیت افراد کی جزوی خدمات حاصل کی جائیں۔ اس ضمن میں انتظامیہ نے مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی، مولانا محمد طاہر صاحب مدنی، مولانا ابوالبقاء صاحب ندوی، مولانا محمد شعیب صاحب ندوی پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا۔ اس بورڈ کے کنوینر مفتی دارالافتاء اور معاون کنوینر مولانا محمد طاہر صاحب مدنی ہوں گے۔ جب تک مفتی کا باقاعدہ تقرر نہیں ہو جاتا اس وقت تک معاون کنوینر ذمہ داری ادا کریں گے۔

اس اجلاس میں یہ فیصلہ بھی ہوا کہ تمام مضامین کے امتحان کے ساتھ سو نمبر کا معلومات

جامعہ کا پرچہ بھی عربی اول تا فضیلت کے طلبہ کے لئے ہوگا۔ اس کی باقاعدہ تدریس نہیں ہوگی۔ طلبہ خود تیاری کریں گے۔

یہ بھی طے ہوا کہ سال گذشتہ کی طرح اس سال بھی طالبات کے لئے تخصص فی التدریس کا نظم باقی رہے گا۔ اس شعبہ میں سال رواں اور ایک سال قبل کی فارغ طالبات میں صرف جیّد طالبات نمبرات کی بنیاد پر داخلہ لے سکیں گی۔ نمبر مساوی ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا جائے گا۔ یہ بات بھی طے پائی کہ امسال وظیفہ نہیں دیا جائیگا۔

نائب ناظم جامعہ کا خطاب

نائب ناظم جامعہ مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی نے ۱۸ر جنوری ۹۵ء کو اساتذہ کی نشست میں اساتذہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ ادارہ آپ کے ہاتھوں قائم ہوا۔ آپ ہی کی کوششوں سے پروان چڑھا اور آپ ہی کی جد وجہد سے اس مقام پر پہونچا کہ اس کا شمار ہندوستان کے اونچے مدارس میں ہوتا ہے۔ یہ بات پیش نظر رہنی چاہئیے کہ آپ نے اس ادارہ کے ساتھ جو کچھ بھی کیا وہ اخلاص کے ساتھ رضائے الٰہی کی طلب میں کیا۔ آپ یہاں پیسہ کمانے نہیں آئے تھے۔ اگر یہ مقصود ہوتا تو بہت سی جگہیں تھیں جہاں آپ کو اس سے زیادہ پیسے مل سکتے تھے۔ آپ نے یہاں جو کچھ کیا یا کر رہے ہیں اس کا صلہ دنیا کا کوئی مال کوئی زمین و جائداد اور کوئی بھی دنیا کی قیمتی سے قیمتی شے نہیں ہو سکتی۔ اس کا صلہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ملے گا۔ ادارہ کی طرف سے تنخواہ یا الاؤنس کی شکل میں اگر کچھ مل جاتا ہے تو وہ صرف گذارہ کے لئے ہے، صلہ نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی آپ اپنی نگاہ بلند رکھیں گے اور پورے اخلاص و للہیت کے ساتھ اس ادارہ کے لئے ہر طرح کی جد وجہد کرتے رہیں گے۔

مولانا محمد سراج الحسن صاحب جامعہ میں

۲۲ر ۱۱ر ۹۴ء کو امیر جماعت اسلامی ہند محترم مولانا محمد سراج الحسن صاحب جامعہ تشریف لائے۔ ایس آئی او کے اجتماع سے خطاب کیا۔ ایس آئی او کے قیام کا پس منظر، اس کا امتیاز اور اب تک کی کارکردگی پر روشنی ڈالی۔ دوسرے دن فجر بعد تمام طلبہ اور اساتذہ کے سامنے "ذکر" پر مختصر تذکیر کی۔

ذمہ داران جامعہ کے دورے

صدر جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب، سابق ناظم جامعہ جناب ڈاکٹر خلیل احمد صاحب، سید اقبال واجد صاحب اور راقم پر مشتمل ایک وفد ۲۳ اور ۲۴ر نومبر ۹۴ء کو مصباح العلوم چوکونیاں، بستی۔ ضیاء العلوم۔ گرہیا، بستی۔ جامع العلوم۔ منہٹی، بستی۔ پہونچا۔ اساتذہ اور طلبہ سے ملاقاتیں کیں اور تعلیم کا جائزہ لیا۔ مصباح العلوم چوکونیاں کے جلسہ عام سے صدر جامعہ نے خطاب بھی کیا۔ جس میں علم دین کی اہمیت، علم کے ساتھ عمل، طالبات کی تعلیم وغیرہ امور پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ موصوف نے ضیاء العلوم گرہیا میں بھی طلبہ و اساتذہ کے سامنے مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا (جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں) کی روشنی میں تذکیر کی۔ نیز فرمایا یہاں ابھی ابتداء ہے، طلبہ کی بھیڑ نہیں ہے۔ تعلیم و تربیت کے مواقع زیادہ ہیں۔ فرداً فرداً ہر طالب علم پر بھرپور توجہ صرف کی جا سکتی ہے۔ عام طور پر شوق ہوتا ہے کہ بڑی درسگاہوں کا رخ کریں حالانکہ تعداد کم ہونے کی بنا پر طلبہ کو سنوارنے اور علم سے آراستہ کرنے کے مواقع ان جگہوں پر زیادہ ہوا کرتے ہیں۔

اس موقع سے جامعۃ الصالحات۔ بانسی، سدھارتھ نگر۔ کی دعوت پر وہاں کا دورہ کیا۔ اسکے ذمہ داروں کے ساتھ ایک نشست رہی۔ بالعموم ذمہ داران پڑھے لکھے لوگ نظر آئے "میں" اور "ہم" والے نہیں محسوس ہوئے۔ کام کرنے کا حوصلہ اور جذبہ نظر آیا۔ اس نشست میں یہ بات طے ہوئی کہ جامعۃ الصالحات، بانسی کو جامعۃ الفلاح سے ملحق کر کے تعلیم و تربیت کے جملہ امور اس کے حوالہ کر دیئے جائیں۔

۱۸ر جنوری ۹۵ء کو سالانہ امتحان کے دوران سکریٹری انجمن مولانا محمد عمران صاحب فلاحی، مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی، مولانا نصیر الدین صاحب اصلاحی، جناب حافظ ارشاد صاحب اور جناب کامل رضا صاحب دوبارہ مصباح العلوم، ضیاء العلوم اور جامع العلوم پہونچے اور امتحانات کا جائزہ لیا۔ جامعہ کی طرف سے امتحان کی نگرانی کے لئے سید اقبال واجد صاحب اور سراج احمد صاحب فلاحی پہلے ہی سے وہاں موجود تھے۔

ے تفصیلی رپورٹ روداد انجمن میں ملاحظہ کریں۔

الوداعیہ اور استقبالیہ

۱۲ جنوری ۱۹۹۵ء کو جامعہ سے فارغ ہونے والے کو الوداعیہ دیا۔ طلبہ کی طرف سے سراج الدین، قاسم رسول اور اکرام الرحمٰن ازہر سلمہٗ نے اپنے احساسات پیش کئے۔ اس موقع پر مہمان خصوصی جناب مولانا حافظ محمد اشتیاق صاحب اصلاحی، مولانا محمد عنایت اللہ صاحب سبحانی اور صدر جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری صاحب فلاحی نے انہیں نصیحتیں کیں۔ انکی تقریروں کا خلاصہ آئندہ ہم پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

جامعہ کے الوداع کہنے کے بعد انجمن طلبہ قدیم ہر سال ان فارغین کا استقبال کرتی اور انہیں اپنے اندر شامل کرتی ہے۔ چنانچہ اس سال بھی ۱۸ جنوری ۱۹۹۵ء کو انجمن کی طرف سے انہیں استقبالیہ دیا گیا۔ سکریٹری انجمن مولانا محمد عمران صاحب فلاحی نے انجمن کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ جامعہ کی آبرو آپ ہیں۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ ادارہ آپ سے پہچانا جائیگا۔ ہم اشتہار نہیں دیتے۔ ہمارا اشتہار آپ ہی ہیں۔ اکرام الرحمٰن سلمہٗ نے اپنے ساتھیوں کی طرف سے یقین دہانی کرائی کہ وہ ان توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کریں گے۔

اور مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی کی دعا پر اس نشست کا اختتام ہوا۔

متعدد فلاحیوں کو صدمہ

ہم افسوس کے ساتھ اطلاع دے رہے ہیں کہ ۲۲ دسمبر ۱۹۹۴ء کو جناب امیر حسن صاحب فلاحی اور عثمان صاحب فلاحی۔ بستی۔ کی والدہ، ۲ جنوری ۱۹۹۵ء کو حافظ مصطفٰے صاحب فلاحی۔ رانچی۔ کی والدہ اور ۱۳ جنوری ۱۹۹۵ء کو جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب فلاحی جیراج پور، اعظم گڑھ۔ کے والد انتقال کر گئے۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

روداد انجمن

محمد اسمٰعیل فلاحی

۲۶ دسمبر ۱۹۹۴ء کو انجمن کی شوریٰ کا اجلاس ہونا طے تھا مگر کورم پورا نہ ہونے کی وجہ سے نہ ہو سکا۔ ۲۸ اور ۳۰ دسمبر ۱۹۹۴ء کو آنے ہوئے ممبران کے ساتھ دو نشستیں ہوئیں۔ مولانا رحمت اثری صاحب فلاحی، مولانا محمد عمران صاحب فلاحی، مولانا نور محمد صاحب فلاحی، مولانا نسیم احمد غازی صاحب فلاحی، مولانا مقبول احمد صاحب فلاحی، مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی ان میں خصوصی طور پر شریک ہوئے۔ جامعہ کی انتظامیہ کے اجلاس میں پیش کرنے کیلئے متعدد تجاویز پر اتفاق کیا گیا جن میں سے بیشتر انتظامیہ نے منظور کر لیں۔ حیات نو کے ساتھ دیگر مسائل بھی زیر بحث آئے۔

بہت پہلے سے یہ ضابطہ رہا ہے کہ امتحان میں وہی طلبہ شریک ہو سکیں گے جن کی حاضری کم از کم اسّی فیصد ہو۔ لیکن مختلف وجوہ کی بنا پر پچھلے سالوں میں اس ضابطہ پر عمل ممکن نہ ہو سکا۔ اس سال شروع ہی سے طلبہ کو اس جانب توجہ دلائی جاتی رہی ہے اور انتظامیہ کے فیصلے کے مطابق اس سال اس ضابطہ کا نفاذ عمل میں آیا۔ فیصد حاضری پوری نہ ہونے کے نتیجہ میں امتحان سے روکے جانے والے طلبہ میں انتظامیہ اور انجمن کے بعض ممبران اور اساتذہ کے لڑکے بھی شامل تھے۔ زد میں آنے والے بعض طلبہ اور ان کے سرپرستوں کی طرف سے کچھ نامناسب رد عمل سامنے آیا جس کی بنا پر صدر انجمن نے ۳ جنوری ۱۹۹۵ء کو مقامی فلاحی برادران۔ اساتذہ وغیرہما کی ایک ہنگامی نشست کی۔ انہوں نے کہا جب بھی جامعہ پر مشکل وقت آیا ہے، بڑھکر اس کے بیٹوں نے سنبھالا ہے۔ ہماری نگاہ اپنی کوتاہیوں پر بھی رہنی چاہئے اور انتظار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ جہاں ضرورت محسوس ہو بڑھکر اپنے کو پیش کرنا چاہیئے۔ ہمیں خوشی ہے کہ فلاحیوں نے اس موقع پر بھی بہت اچھا ثبوت پیش کیا۔

۱۲ جنوری ۱۹۹۵ء کو سکریٹری انجمن کے دورہ مصباح العلوم کے موقع سے انجمن کی شاخ کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے صدر مشتاق احمد صاحب فلاحی، سکریٹری عبدالاحد صاحب فلاحی اور خازن شبیر احمد صاحب فلاحی ہیں۔

حلقۂ یاراں

محترم ایڈیٹر "حیات نو"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"حیات نو" کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا اس میں مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی کی نہایت ہی عالمانہ اور محققانہ تصنیف "حقیقت رجم" کا جو تعارف آپ نے شائع کیا ہے وہ بہت ہی وقیع اور حقیقت پسندانہ ہے۔ مجھے بھی اس کتاب کا از اول تا آخر بالاستیعاب مطالعہ کا موقع ملا اسے پڑھنے کے بعد دو احساسات شدت کے ساتھ لوحِ ذہن پر ابھرے۔ اول یہ کہ اگر اس کتاب کا مطالعہ نہ کرتا تو میری بڑی محرومی نصیبی ہوتی۔ دوم یہ کہ مولانا کا تحقیقی اور علمی قلم ملت اسلامیہ اور تحریک اسلامی کو بعض شدید فکری ژولیدگیوں سے نکالنے میں اہم رول ادا کر سکتا ہے۔

الحمدللہ یہ کتاب اپنے موضوع پر دلیلِ قاطع اور یک گونہ حرف آخر کی حیثیت کی حامل ہے پوری کتاب میں جو سنجیدگی اور یکساں قوت استدلال ہے وہ کم ہی کتابوں میں نظر آتی ہے۔

اس نازک موضوع پر قلم اٹھانا کوئی معمولی بات نہ تھی مگر خدا کا شکر ہے مولانا نے اٹھایا اور خوب اٹھایا۔ صحیح بات یہ ہے کہ موضوع کا حق ادا ہو گیا۔

موضوع پر معروضی طرز استدلال نے جذباتی طرز فکر رکھنے والوں کو انگلی رکھنے کا کم ہی موقع دیا ہے۔ میرے لئے یہ بات بڑی مسرت انگیز ہے کہ "حقیقت رجم" سے ملت کے علمی سرمایہ میں گرانقدر اضافہ ہوا ہے مولانا کے تحقیقی ذوق اور علمی طرز فکر سے میری ذاتی اور قریبی واقفیت کے باوجود اس کتاب نے میری نظر میں مولانا کا قد اور بلند کر دیا ہے۔

کتابت اور طباعت کا خاصا اہتمام کیا گیا ہے خوشی کی بات یہ ہے کہ پروف کی غلطیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ حالانکہ عموماً ایسا کم ہی ہوتا ہے۔

آخر میں مولانا سے یہ گذارش کرنے کو جی چاہتا ہے کہ دورِ حاضر میں ملت اسلامیہ

اور تحریک اسلامی کو جن گوناگوں چیلنجز کا سامنا ہے ان کے مقابلے کے لئے مولانا کے قلم کو جنبش میں آنا چاہیے۔ تاکہ بالخصوص تحریک اسلامی فکری یکسوئی کی دولت سے مالامال ہو سکے

مقبول احمد فلاحی
ناظم علاقہ گورکھپور

غزل

قمر رام نگری

حشر کی یہ علامتیں ہیں میاں / دین سے جو بغاوتیں ہیں میاں
اپنوں سے تو عداوتیں ہیں میاں / دشمنوں پہ عنایتیں ہیں میاں
آخرت کو بگاڑ دیتی ہیں / یہ جو دنیا کی چاہتیں ہیں میاں
اب گنہ کر کے ہم نہیں ڈرتے / تو یہ کتنی جسارتیں ہیں میاں
انساں انساں سے پیار کرتا تھا / یہ پرانی کہاوتیں ہیں میاں
چاند سورج ستارے روز و شب / کل کی کل رب کی آیتیں ہیں میاں
حب دنیا میں مبتلا ہیں سبھی / اس میں کتنی حلاوتیں ہیں میاں
شرک و بدعت پہ جنگ ہے بیجا / اب بھی ایسی جماعتیں ہیں میاں
سب ہی اپنی غرض کے ہیں بندے / اپنی کیسی قیادتیں ہیں میاں!
قتل کرتے ہیں کیا مزے لے کر / دل میں کتنی شقاوتیں ہیں میاں؟
ظلم چپ چاپ سہتے رہتے ہیں / صبر تو کیا حماقتیں ہیں میاں
اپنے ہوں غیر ہوں، ہیں سب بیزار / یہ تو اپنی روایتیں ہیں میاں
ہیں عمل اپنے اب جو شیطاں سے / نفس کی کل شرارتیں ہیں میاں
جن میں انصاف کم ہی ملتا ہے / بولو کیا یہ عدالتیں ہیں میاں
ہم رہیں دور کیسے عصیاں سے؟ / یہ فرشتوں کی عادتیں ہیں میاں
شکر یہ پوچھا جو قمر کا مزاج / سب خدا کی عنایتیں ہیں میاں

حاجی عبدالشکور صاحب
ناظم جامعہ

بہی خواہان جامعہ کی خدمت میں

آج کے طوفانی دور میں جب کہ ہر طرف مادیت کی یلغار ہے اور اخلاقی قدریں روبہ زوال ہیں، اسلام پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں اور ملت اسلامیہ کو مختلف قسم کے چیلنجوں کا سامنا ہے، ایسے پر آشوب دور میں "جامعۃ الفلاح" ان چیلنجوں کا ایک پر عزم جواب ہے، جہاں مسلمان بچوں اور بچیوں کی اس انداز سے تعلیم و تربیت کی جاتی ہے کہ ان کے اندر کتاب و سنت کا گہرا علم پیدا ہو اور اسلامی اخلاق و کردار سے آراستہ ہوں، عصر حاضر کے افکار و نظریات سے واقفیت ہو اور ان کے اندر احیائے دین و شہادت حق کا ایسا جذبہ پیدا ہو کہ وہ وسعت قلب و نظر کے ساتھ معاشرے کی اصلاح اور دعوت اسلامی کے لئے اپنی صلاحیتوں کو وقف کر سکیں۔

نیچے جامعہ کے نمائندوں اور ان کے حلقہ کار کی فہرست دی جا رہی ہے براہ کرم بہی خواہان جامعہ ان کے ساتھ اپنی دلچسپیوں اور ہمدردیوں کا ثبوت دیں اور دیگر احباب کو بھی متوجہ کریں۔

۱	مولانا نعیم الدین صاحب	حیدرآباد، نظام آباد
۲	ماسٹر منور علی ” ” کامل رضا ”	مدراس، کرناٹک، تاملناڈو، کیرالا، بنگلور، میلوان، کلکتہ
۳	” محمد اکرم ”	کلکتہ، آسنسول، بردوان، بیگو سرائے، پٹنہ، بھاگلپور
۴	منشی محمد سہیل صاحب (سفیر جامعہ)	رامپور، بلدواتی، بریلی، علیگڑھ، آگرہ، کانپور، بنارس، جونپور، شاہ گنج
۵	مولانا امیر فیصل صاحب ” سراج احمد ”	کرلا، ساکی ناکہ، گھاٹ کوپر، کرونی، بھانڈوپ، گوونڈی، جیجو روڈ، کھیرانی روڈ، چکالہ، شیواجی نگر، بیگن واڑی، واکولہ، سلامی واہی، ممبرا، بھیونڈی، کلیان، دھولیہ، مالیگاؤں، ناسک، کھمارہ
۶	شکیل احمد ” شیخ وحید الدین ”	

۷	ماسٹر جنید احمد صاحب ” ارشد ”	ریے روڈ، وڈالا، دھاراوی، سائن، باندرہ، سانتا کروز، ماہم، اندھیری، جوہو، جوگیشوری، گورے گاؤں، کاندیولی، گھنش نگر، لاڈو پوری، دلی، پونا۔
۸	” عبدالمالک ” ” محمد خالد ”	مدنپورہ، بائیکلہ، بھنڈی بازار، پوری بندر، تلاب، گرانٹ روڈ، ممبئی سنٹر، سات راستہ، ڈونگری، دادر، ٹیکری، کامانی پورہ، چوکی محلہ، بمبئی ہاسپٹل، بے جے ہاسپٹل، روڈ ناکہ، چیراغ گلی، مومن پورہ، بدلو پورہ، کماٹی پورہ، السن برج، گھاٹ کوپر روڈ، مالونی، سات بنگلہ، واکولہ، مسجد، دہلی، غازی آباد
۹	مولانا جمیل احمد ” ماسٹر توفیق احمد ”	
۱۰	حافظ احسان الحق ”	اندور، اجین
۱۱	مولانا رفیق الاکرم ”	سنبھل، بدایوں، ٹکراہ، مرادآباد، راجستھان، اجمیر، جے پور
۱۲	قاری عطاء اللہ ” ماسٹر نوراللہ ”	جلگاؤں، بھساول، ببر، ہانپور، ملکاپور، جالنہ، اچلپور، اورنگ آباد
۱۳	عالمگیر صاحب (سفیر جامعہ)	ناگپور، راحت گڑھ، جبل پور، سیونی، چھندواڑہ، کٹنی، بینا، ستنا، بھوپال، گورکھپور، بستی، گونڈہ، بہرائچ، سدھارتھ نگر، سیوان، بیا، اترولہ، تلسی پور، مئو، کوپاگنج، مبارکپور، اعظم گڑھ، محمد آباد، خیرآباد، رسڑا
۱۴	ماسٹر نظام الدین صاحب	
۱۵	مولوی عبداللطیف ” ماسٹر حسین الدین ”	
۱۶	محمد حسن صاحب (سفیر جامعہ)	فیض آباد، ٹانڈہ، سلطان پور، مچھلی شہر، جونپور
۱۷	ماسٹر ہارون رشید صاحب مولانا ابوبکر صاحب ماسٹر علی انور بیگ صاحب	مرزاپور، اوبرا، بھدوہی، بادشاہ پور، قریا، الہ آباد، بہرواڑہ، سرائے عاقل، کپتان گنج، ... اتراری، بنارس، ... چاند پور، ...
۱۸	حافظ ریاض احمد ”	بنگال، ... حلالۃ الدین، ... جیرا، جبل پور، ... نصیر پور

مولوی عرفان صاحب	خالص پور، شیخوپور، محی الدین پور، تحفہ پور، سجاد پور، اشرف پور، پچھوری، محمد پور، بکٹ، بلیاں، ڈھکوان
۱۹ ماسٹر حنیف "	مبارکپور، چکیا، ابراہیم پور، چاند پار، ظہیر الدین پور، شاہ پور، اسرولی
۲۰ ماسٹر سراج احمد "	اعظم گڑھ (شہر)
۲۱ عرفان شاہ "	بریا گنج
مولانا محبوب عالم "	
ماسٹر شاہنواز "	
۲۲ مولانا افتخار الحسن "	احمد آباد، واپی، گجرات، بڑودہ
ماسٹر حبیب انصاری صاحب	

غزل

شفیع اللہ خاں راز

وقفِ خنجر ہے ابھی تک آدمی کا بانکپن
خون میں ڈوبا ہوا ہے زندگی کا بانکپن

ہم اگر روٹھ جائیں گے تم بھی تنہا ہو جاؤ گے
ہم سے قائم ہے وقارِ زندگی کا بانکپن

سر زمیں سے بے فلک تک تیرگی ہی تیرگی
نرغۂ ظلمات میں بھی ہے روشنی کا بانکپن

ہوشمندوں کے دلوں پر بے خودی کا راج ہے
اوج پر ہے ان دنوں دیوانگی کا بانکپن

قوتِ باطل سے ٹکراتا رہوں عمر بھر
یاد رکھے گی مری زندہ دلی کا بانکپن

ساحلوں پر آتشیں طوفان ابھرنے لگے
پانیوں میں بھی جھومتا ہے شعلگی کا بانکپن

انتہا ہے تنگ نظری الاماں والحفیظ
آدمی نے ڈس لیا ہے آدمی کا بانکپن

کیا خبر تھی رازؔ جب فصلِ بہاراں آئے گی
خاک میں مل جائیگا اک اک کلی کا بانکپن

فارغین جامعہ کے نام

جامعۃ الفلاح ایک معیاری تعلیمی و تربیتی درسگاہ ہے۔ جو دینی و عصری علوم پر مشتمل نصاب تعلیم کے تحت اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس قلیل مدت میں جامعہ نے جو ترقی کی ہے وہ ذمہ داران جامعہ و اساتذہ کرام و فارغین جامعہ نیز اس کے ہمدردوں کے خلوص اور خاص تعلق کا نتیجہ ہے۔ جامعہ کے مختلف شعبہ جات میں طلبہ و طالبات کی تعداد پانچ ہزار ہو گئی ہے۔ جنکی تعلیم و تربیت پر ایک سو پچیس (۱۲۵) معلمین و معلمات کی خدمات حاصل ہیں، اور مختلف شعبوں میں دیگر کارکنان کی تعداد پچاسی (۸۵) ہے اس کا مستقل ماہانہ خرچ چار لاکھ ہے جو صرف مسلم عوام کے عطیات و صدقات اور زکوٰۃ وغیرہ کی رقوم سے پورا کیا جاتا ہے۔ جامعہ کی ان ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے تمام فلاحی برادران سے اپیل ہے کہ وہ مادر علمی کے نمائندوں کا بھرپور تعاون کریں۔ تاکہ جامعہ کے مختلف منصوبے بآسانی اپنی تکمیل کو پہونچ سکیں۔ اگر جامعہ کے نمائندے کسی وجہ سے نہ پہونچ سکیں تو وہاں کے صاحب خیر حضرات کو اس کی طرف توجہ دلائیں تاکہ براہ راست اپنی رقوم جامعہ کو مندرجہ ذیل پتہ پر بھیج سکیں۔

JAMIATUL FALAH BILARIYAGANJ AZAMGARH (U.P.)

A/C NO. 20001 U.B.I BILARIYAGANJ BRANCH

"واللہ فی عون العبد ما دام العبد فی عون اخیہ"

والسلام

محمد عمران خاں فلاحی

سکریٹری انجمن طلبہ قدیم

Regd. No. 46065/86
Monthly MAJALLAH HAYAT—E—NAU
BILARIAGANJ AZAMGARH (U.P.)
Jan.-Feb. 1995 Vol 11 No. 1-2

ایک اہم اعلان

انجمن طلبہ قدیم کی شوریٰ نے اپنی گزشتہ میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ تمام فلاحی برادران کی علمی کاوشیں انجمن کی مرکزی آفس میں جمع کی جائیں۔ اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلے میں ہمیں آپ کا تعاون درکار ہے۔ تعاون کی شکلیں حسب ذیل ہیں۔

- وہ برادران جن کی کاوشیں شائع ہو چکی ہیں وہ اپنی مطبوعات کی دو دو کاپیاں روانہ فرمادیں۔
- وہ برادران جن کی کاوشیں ابھی شائع نہیں ہوئی ہیں وہ بھی انکی دو دو فوٹو کاپیاں روانہ فرمائیں۔
- واضح رہے کہ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالے بھی مطلوب ہیں۔
- آپ کے علم میں فلاحی برادران کی جن کی کاوشیں ہوں انکی فہرست اور ملنے کی جگہوں سے آگاہ کریں۔
- اس ضمن میں کوئی دشواری درپیش ہو تو دفتر انجمن سے رابطہ قائم کریں۔

والسلام
سکریٹری انجمن
محمد عمران خان فلاحی